وہ نوائے مضمحل کیا، نہ ہو جس میں دل کی دھڑکن

وہ صدائے اہل دل کیا، جو عوام تک نہ پہنچے

صدائے اہل دل

محسن الامت عارف باللہ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی **محمد عبداللہ** صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

بانی مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار پھولپور اعظم گڈھ

از اجلّۂ خلفاء

محی السنہ حضرت اقدس مولانا شاہ **ابرار الحق** صاحب ہردوئی نور اللہ مرقدہٗ

حسبِ ارشاد

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ مفتی **محمد احمد اللہ** صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

خلیفہ و جانشین

محسن الامت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نور اللہ مرقدہٗ

ناشر: اشرفی کتب خانہ ”مرکزی خانقاہ شاہِ ابرار“ پھولپور، اعظم گڈھ، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب: صدائے اہل دل

حسب ارشاد: مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپوری ناظم اعلیٰ وشیخ الحدیث

مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم، سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی

کمپوزنگ: وکیل احمد کوپاگنج، مئو

سنہ طباعت: ۱۴۴۰ھ/ ۲۰۱۸ء

تعداد صفحات: ۵۶

تعداد اشاعت: ۲۲۰۰

ملنے کا پتہ

دفتر ''فیضانِ اشرف'' مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم

سرائے میر، اعظم گڈھ، یوپی

9936136854

E-mail:baitululoom256029@rediffmail.com

www.phoolpuri.org

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۷
	صحبتِ اہل اللہ کی فضیلت واہمیت	۱۰
۲	اللہ والا بننے کا ایک آسان نسخہ	۱۰
۳	اللہ والے کی صحبت میں نہ رہنے کے نقصانات	۱۱
۴	مسلمانوں کی صلاح وفلاح کا راز تقویٰ میں ہے	۱۲
۵	صحبتِ نبی کی برکت نے چرواہے کو امیر المؤمنین بنا دیا	۱۳
۶	شیخ کی خوبیاں اگر مرید میں پائی جائیں تب ہی اصل صحبت ہے	۱۳
۷	تزکیۂ نفس ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ	۱۴
۸	دین اللہ والوں کی نظر سے پیدا ہوتا ہے	۱۵
۹	دین دار بننا اور دین کا کام کرنا دونوں الگ الگ ہے	۱۶
	امر بالمعروف، نہی عن المنکر	۱۹
۱۰	امت محمدیہ کے لیے خیر امت کا پروانہ	۱۹
۱۲	انسانوں کی دو قسمیں	۲۰

۱۳	حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ	۲۱
۱۴	اپنا ایک واقعہ	۲۲
۱۵	مخلوق خدا کو نفع پہونچانے کی فکر کیجیے	۲۲
۱۶	انسان کے کمال کی دو قسمیں ہیں	۲۳
۱۷	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ	۲۴
۱۸	ایک منہی عنہ کو چھوڑنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہے	۲۶
۱۹	حضراتِ صحابہ کا اچھے کاموں پر جمنے کا ایک واقعہ	۲۷
۲۰	برائی چھوڑے بغیر کوئی شخص کامیاب نہیں ہوسکتا	۲۸
۲۱	خیر امت ہونے کا راز	۲۹
۲۲	مال لے کر تبلیغ کرنا نبی کے شایانِ شان نہیں	۲۹
۲۳	محبت کی ایک انمول مثال	۳۰
۲۴	محبت کی دوسری مثال	۳۱
۲۵	نبی علیہ السلام کی تین پسندیدہ چیزیں	۳۲
۲۶	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تین پسندیدہ چیزیں	۳۳
۲۷	ہمدردئ مخلوق کے وقت نظر اللہ تعالیٰ پر ہونی چاہیے	۳۳
۲۸	میرا ایک واقعہ	۳۴
۲۹	دعوۃ الحق کے عنوان سے کام ہونے کا راز	۳۵
۳۰	حضرت مولانا محمد الیاس علیہ الرحمہ کا تعلیماتِ تھانوی کے متعلق اظہار خیال	۳۵

۳۱	دین کی باگ ڈور اہل علم کے ہاتھ میں ہونی چاہیے	۳۶
۳۲	حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ کا حرم شریف میں دعا کرنا	۳۷
۳۳	اس تحریک کا ''دعوۃ الحق'' نام رکھنے والے حضرت پھولپوریؒ ہیں	۳۸
۳۴	دعوۃ الحق کو فروغ دینے کی ضرورت ہے	۳۸
۳۵	دعوۃ الحق کے نظام سے احیائے سنت مقصود ہے	۳۸
	اخلاص کا نفع اور نفاق کا وبال	۴۰
۳۶	سورۃ الضحیٰ کے شانِ نزول کا ایک واقعہ	۴۰
۳۷	دوسرا واقعہ	۴۱
۳۸	دوست اور دشمن بنانے کا معیار	۴۲
۳۹	شیطان کا سجدہ کرنا خلیفہ بننے کے لیے تھا	۴۲
۴۰	ایک علمی اشکال اور اس کا جواب	۴۳
۴۱	خلقتِ انسانی کا راز	۴۴
۴۲	دنیا کے سب آخری جنتی کا حال	۴۴
۴۳	آخری جنتی کو اس دنیا سے دس گنا بڑی جنت دینے کا راز	۴۵
۴۴	محشر میں کفار کا حال	۴۷
۴۵	عرض یسیر کے وقت دخول جنت فضل الٰہی کی بنا پر ہوگی	۴۸
۴۶	بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ایک واقعہ	۴۹
۴۷	فضل الٰہی کی وسعت	۵۰

۴۸	ایک حسی مثال	۵۱
۴۹	عبادت بندہ بنانے کے لیے ہے	۵۱
۵۰	شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ	۵۲
۵۱	اللہ تعالیٰ کے فضل کا ایک واقعہ	۵۲
۵۲	فضل کا دوسرا واقعہ	۵۳
۵۳	اللہ تعالیٰ انسان کو نیک بندہ دیکھنا چاہتے ہیں	۵۳

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی محمد احمد اللہ صاحب پھولپوری دامت برکاتہم

خلیفہ وجانشین محسن الامت عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ

نحمد الله العلی العظیم و نصلّی علی نبیه الأمین ورسوله الکریم وعلی آله وأصحابه حملة الدین القویم.

امابعد! ابتدائے اسلام سے اخلاف کا اپنے اسلاف کے علوم اوران کی دینی خدمات کو محفوظ کرنے اوراسے اگلی نسل تک پہونچانے کا سلسلہ متوارث چلا آرہاہے۔صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے قرآن وحدیث کا علم تابعین تک، انھوں نے تبع تابعین تک پھرانھوں نے اپنے بعد کے لوگوں تک پہونچایا، یہاں تک کہ قرناًبعدقرنٍ یہ دین حنیف اپنی حقانیت اورتمام فیوض وبرکات کے ساتھ ہم تک پہونچا۔تاریخ یہ بھی بتلاتی ہے کہ بے شماراہل علم حضرات کے اندر وفورعلم اورکمالِ تقویٰ کے باوجودشاگردوں کی نااہلی اوروارثوں کی ناقدری ان کے فیوض وبرکات کے اگلی نسل تک منتقل ہونے سے مانع بن گئی۔ ہمارے طبقۂ اکابرین میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجرمکی ،حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ،حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت شیخ الہنداور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً ونفعنا اللہ بعلومہم اجمعین وغیرہ کواللہ تعالیٰ نے ایسے باکمال اور لائق وفائق ہنرمند تلامذہ ومسترشدین کی جماعت عطافرمائی جنھوں نے ان نفوسِ

قدسیہ کے علوم ومعارف کا ایک گنج گراں مایہ محفوظ کر کے امت کے سامنے پیش کیا، جن سے آج بالواسطہ یا بلاواسطہ تقریباً پورا عالم فیض یاب ہورہا ہے۔

اسلاف کے اسی طریقہ پر چلتے ہوئے ایک اور نافع سلسلے کا ابتدائی مرحلہ آپ کے سامنے پیش ہے کہ ہم اپنے والد ماجد، مرشدی ومربی محسن الامت عارف باللہ حضرتِ اقدس مولانا شاہ مفتی محمد عبداللہ صاحب پھولپوری نوراللہ مرقدہٗ کے علمی افادات اور خطبات کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا آغاز کررہے ہیں، تاکہ کچھ حق بنوت کی ادائیگی ہوسکے، (اللہ تعالیٰ اس عمل میں اخلاص، حوصلہ اور مداومت عطا فرمائے) اور حضرت والاؒ کے علوم ومعارف کے شائقین کے لیے وجہ سیرابی نیز حضرت والا کے لیے صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بن سکے۔

سردست یہ رسالۂ نافعہ تین بیانات کا مجموعہ بنام ''**صدائے اہل دل**'' پیش خدمت ہے، جس کے اندر حصول ولایت کے تین اسباب عادیہ ضروریہ کا بیان ہے۔

پہلا بیان ''**صحبتِ اہل اللہ کی فضیلت واہمیت**'' ہے، خلف وسلف بشمول قطب عالم حضرتِ اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ اسرارہم کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس زمانہ میں حصولِ تقویٰ بدون صحبتِ کاملین محال ہے۔

دوسرا بیان جو مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم کے اندر ماہانہ مقامی ''**مجلس دعوۃ الحق**'' کے موقع پر عوام وخواص کے سامنے ہوا، جس میں حضرت والا نے دعوۃ الحق کا بنیادی مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے یہ سمجھایا کہ محض اپنی جنت کی فکر کرنا آپ کے خیر امت ہونے کا راز نہیں ہے، بلکہ اپنی اصلاح کے بعد امت کی اصلاح کی فکر کرنا، اللہ کی دوستی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے۔

تیسرا بیان ''**اخلاص کا نفع اور نفاق کا وبال**'' ہے، جس سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اخلاص نیت کے بغیر ساری عبادت اور ریاضت محبوط العمل ہوکر رہ جائے گی۔

حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے والوں کو دین سے مناسبت اور متقی بننے کا شوق عطا فرمائے، اور ہم سب کو اپنا قوی وصحیح تعلق نصیب فرمائے، نیز اپنے بزرگوں کی قدردانی اور ان کے علمی وعملی فیضان سے کماحقہٗ فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

والسلام

(مفتی) محمد احمد اللہ پھولپوریؔ غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ

خادم مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ (یوپی)

۲۰ر محرم الحرام بروز دوشنبہ ۱۴۴۰ھ

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

صحبت اہل اللہ کی فضیلت واہمیت

الحمد للّٰہ نحمدہ، ونستعینہ، ونستغفرہ، ونعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سیّاٰت أعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد أن لّا الٰہ إلّا اللہ ونشھد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ، ورسولہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین. أمّا بعد! فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. ”یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ“(سورۃ التوبہ:۱۱۹) وقال اللہ تبارک وتعالٰی ”وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا“(سورۂ عنکبوت:۶۹) صدق اللہ مولانا العظیم.

اللہ والا بننے کا ایک آسان نسخہ:

حضرات علماء کرام، معزز سامعین اور نوجوانانِ اسلام!

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس آیت مبارکہ میں بہت آسانی کے ساتھ ساری اچھائیاں، نیکیاں، اعمالِ صالحہ، اخلاقِ حسنہ اسی طرح علوم نافعہ کو حاصل کرنے کے لیے ایک بہت آسان نسخہ بیان کیا ہے، اور فرمایا کہ ان خوبیوں کو حاصل کرنے کے لیے تمہیں ایک آسان سا نسخہ بتا تا ہوں کہ ”کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ“ اچھے، سچے لوگوں کے ساتھ رہ پڑو، ان کی صحبت میں آنا جانا رکھو اور ان سے تعلق جوڑلو۔ بزرگوں کی صحبت میں آنا جانا ہوگا تو آہستہ آہستہ ان کا تقویٰ ان کے علوم ومعارف، اخلاقِ حسنہ (وغیرہ) یہ ساری اچھائیاں

جذب ہو جائیں گی، آپ بتائیں کہ کس قدر آسان نسخہ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے، اور یہ نسخہ (صرف) آسان ہی نہیں بلکہ بہت لذیذ بھی ہے، اس میں کچھ کرنا نہیں، بہت سہل، بس اپنے آپ کو حوالہ کر دو، اپنے آپ کو کسی اللہ کے نیک بندے کے ساتھ جوڑ لو، حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھیؒ نے سمجھایا ہے اور اس بات کی ترجمانی میں انہوں نے ایک شعر کہا ہے، فرماتے ہیں ۔

یہاں تک جذب کر لوں کاش تیرے حسنِ کامل کو
تجھ ہی کو سب پکار اٹھیں گذر جاؤں جدھر ہوکر

صحبت کی برکت سے حضرات صحابہ کا صرف یہی تعارف تھا ''هٰـذَا صَـاحِـبُ رَسُـوْلِ اللهِ صَـلَّـى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' یہ رسول اللہ کی صحبت میں رہنے والے انسان ہیں، نبی کی صحبت نے ان کو کہاں تک پہونچا دیا؟ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ ع:-

جو نہ تھے خود راہ پے اوروں کے ہادی بن گئے

اللہ والے کی صحبت میں نہ رہنے کے نقصانات:

آج فضائل وکمالات کے حصول کے لیے ہم کتابیں بھی پڑھتے ہیں اور تقریریں بھی سنتے ہیں، غالب (شاعر) کے بقول:

جانتے ہیں ثوابِ طاعت وزہد پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

غالب صاحب کہتے ہیں کہ ثواب کا بھی اور اچھے اعمال کے خوبیوں کا بھی یقین ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ طبیعت نہیں چلتی، اچھے اعمال کی خوبیوں کا یقین ہے، اس کے بعد بھی اِدھر طبیعت نہیں چلتی، کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے ''كُـوْنُـوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ''میں بیان فرمایا ہے۔ (صحبت صالحین اختیار نہ کرنے کی وجہ سے تقویٰ سے محروم ہیں)

میرے دوستو! آج جہاں بہت سارے شعبوں میں انحطاط آیا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ سند حاصل کرنے کی فکریں تو بڑھ گئیں لیکن ہمیں کسی اللہ والے کی صحبت میں وقت گذارنے کی فرصت نہیں ملی، اس لیے وہ بڑے بڑے علوم جو انسانوں کو اخلاق حسنہ تک پہنچانے کا ذریعہ بنتے آج وہی حجاب بنے ہوئے ہیں، اللہ کی معرفت سے وہی چیزیں رکاوٹ بن گئیں، اور جو چیزیں خوبی کی تھیں وہی آج ہمارے لیے مانع ہوگئیں، اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہی ہے کہ ’’کونوا مع الصادقین‘‘ کا ایک عمل ہم سے چھوٹ رہا ہے۔

مسلمانوں کی صلاح وفلاح کا راز تقویٰ میں ہے:

اس لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی صلاح وفلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جگہ جگہ ’’اتقوا اللہ‘‘ کا حکم دیا، یعنی اے مسلمانو! تقویٰ والے بن جاؤ اور جہاں تقویٰ کا حکم دیا اسی آیت کریمہ میں تقویٰ کے حصول کی منڈی بھی بتادی۔

تقویٰ کو حاصل کرنے کا بازار بھی دکھا دیا کہ تقویٰ کہاں سے لیں، تو فرمایا کہ ’’اتقوا اللہ‘‘ میں تقویٰ کا حکم دیا اور ’’کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ‘‘ میں فوراً اس تقویٰ کے حصول کی جگہ بھی بتادی کہ تقویٰ سچے لوگوں کی صحبت میں رہنے سے حاصل ہوگا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقویٰ کی جگہ کی طرف حدیث پاک میں اشارہ فرمایا ’’لِکُلِّ شَیْئٍ مَعْدِنٌ وَمَعْدِنُ التَّقْوٰی قُلُوْبُ الْعَارِفِیْنَ‘‘ (مجمع الزوائد:۱۷۱)

یعنی ہر چیز کی ایک معدن اور کان ہے اگر اس کان تک رسائی ہوگی تو کان کا سامان ملے گا اور اگر رسائی نہیں ہوئی تو سامان نہیں ملے گا، فرمایا تقویٰ کی بھی ایک کان ہے، اور وہ عارفین کے قلوب ہیں، اس لیے اگر تقویٰ والا بننا چاہتے ہو تو اللہ والوں کی صحبت کو لازم پکڑو۔

حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتا بگڈھی علیہ الرحمہ کا ایک شعر ہے وہ فرماتے ہیں۔

قریب جلتے ہوئے دل کے اپنا دل رکھ دے
یہ آگ لگتی نہیں ہے لگائی جاتی ہے

اس آگ کو لگانے کے لیے یہ پژمردہ قلوب اللہ کی محبت سے روشن قلوب کے قریب پہونچتے ہیں تو ان کی قربت سے بجھے ہوئے چراغ جل جاتے ہیں اور وہی چراغ جلنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس سے بھی آہستہ آہستہ وہی فیض جاری فرمادیتے ہیں۔

دوستو! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی بڑا استاد مسند نشیں ہو تو سمجھو کہ وہ کسی کا شاگرد ہے، کسی کی صحبت نے ان کو وہاں پہونچایا ہے۔

صحبت نبی کی برکت نے چرواہے کو امیر المؤمنین بنادیا:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب کارخلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو فرمایا ''کَبَّرَنِیْ مَوْتُ الْکُبَرَاءُ '' کوئی وقت تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خادموں میں شمار ہوتے تھے، حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں اور آپ کی زبان مبارک کے منتظر رہتے تھے اور اب ایک وقت آ گیا، وہ کہتے تھے کہ میرے جیسے چرواہوں کو بھی کسی کی نگاہوں نے بڑی جگہ بیٹھادیا۔

شیخ کی خوبیاں اگر مرید میں پائی جائیں تب ہی اصل صحبت ہے:

جس شیخ کی خوبیاں مرید میں جاکر چمکنے نہ لگیں اور شاگرد استاد کو نمونہ نہ بنالے تو پھر کیا کیا......؟ کچھ بھی نہیں کیا، کہا جاتا ہے مرید کو دیکھ کر شیخ کی یاد آتی ہے، اگر شیخ کی یاد آ گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرید نے شیخ سے کچھ حاصل کیا ہے، صحابہ کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی یاد آتی تھی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ حاصل کیا تھا، اگر صحابہ نے کچھ لیا تھا تو بھائی ہم میں سے کوئی لینے والا تیار ہو، کیوں کہ ہم بھی حضرات صحابہ ہی کا نام لیوا ہیں۔

حسن بصری علیہ الرحمہ کی جب تربیت کی گئی تو ایک صحابی کہتے ہیں کاش میرے حسن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تو وہ خوش ہو جاتے۔

بہر کیف بات کچھ طویل ہوگئی مجھے اس وقت بس ایک بات عرض کرنی تھی کہ آج عوام وخواص اور بہت سے حلقے کے علماء بھی اس چیز (صحبت اہل اللہ) کو اہمیت کم دیتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ لوگ صالحین کی صحبت کو اچھا تو سمجھتے ہیں لیکن ضروری نہیں سمجھتے۔

تزکیۂ نفس ایمان کے بعد سب سے بڑا فریضہ:

امام غزالی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ تزکیہ نفس بعد الایمان سب سے بڑا فریضہ ہے، فرمایا اتنا بڑا کوئی فریضہ نہیں، اس سے بڑی کوئی عبادت نہیں۔

آپ حضرات صحابہ کے حالات اور ان کے مقامات کو دیکھیں اور بعد میں آنے والے بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں جنہوں نے حدیثوں کی بڑی بڑی کتابیں لکھیں اور حدیثوں کے ان کے پاس انبار تھے، گویا علمی دنیا میں دونوں کا ایک مقام تھا، لیکن ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل نہیں تھا، اس لیے وہ لوگ اپنے آپ کو حضرات صحابہ کے گرد وغبار کے برابر بھی نہیں سمجھتے تھے، اس کا راز کیا تھا، بس صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ''**کونوا مع الصّادقین**'' پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دین اللہ والوں کے نظر سے پیدا ہوتا ہے:

اکبرالہ آبادی نے کہا تھا ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

وہ نظر کیا ہے؟ وہی صحبت کا اثر ہے، اسی کو نظر کہتے ہیں۔

پھر آخر میں یہی کہتا ہوں کہ بھائی ''کونوا مع الصّادقین'' اللہ کا حکم ہے، بس اللہ کا حکم سمجھ کر جس طرح نماز پڑھتے ہو، روزہ رکھتے ہو، بس حکم الٰہی کی امتثال میں بھی ''کونوا مع الصّادقین'' پر عمل کی ضرورت ہے، امام غزالی علیہ الرحمہ کا قول جو میں نے بتایا ہے کہ یہ بڑا اہم فریضہ ہے، سارے فرائض میں ایمان کے بعد اس سے بڑا کوئی فریضہ نہیں ہے، دادا جان حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری علیہ الرحمہ خلیفۂ اجل حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ ''کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ'' کے بعد ''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' (سورۂ عنکبوت:۶۹) کی ضرورت ہے، یعنی صالحین کی صحبت میں رہ کر تھوڑا مجاہدہ کرنے کی اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔

دادا جان یہ دونوں آیتیں ساتھ میں بیان کرکے یہ فرمایا کرتے تھے کہ صادقین کی صحبت کا رنگ جب نکھرتا ہے جب نفس پر تھوڑا بوجھ بھی ڈالے، خواجہ صاحب کی زبان میں فرماتے ہیں ؎

نفس پر جو ذرا نہ ڈالے بار　　　اصلاح اس کی ہے سخت دشوار

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو فہم سلیم عطا فرمائے، دین کی سمجھ عطا فرمائے، کیونکہ دین کی سمجھ بہت مشکل سے ملتی ہے۔

دین دار بننا اور دین کا کام کرنا دونوں الگ الگ ہے:

دوستو! دین دار بننا اور دین کا کام کرنا الگ الگ کام ہے، بہت سے لوگ حتیٰ کہ غیر مسلم بھی دین کا کام کرتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد فرمایا گیا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ دین کا کام لینا چاہیں تو کسی فاسق سے بھی لے سکتے ہیں، لیکن وہ دین دار نہیں، دین دار ہونے کے لیے ''کونوا مع الصّادقین ''پر عمل کرنے کی ضرورت پڑے گی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین.

....

دعائے دیوانہ

الٰہی دلِ مبتلا چاہتا ہوں | فنائے خودی سے خدا چاہتا ہوں
نگاہِ محبت نما چاہتا ہوں | کہوں کیا میں تجھ سے، میں کیا چاہتا ہوں

تپش دے خلش دے غمِ جاں گسل دے
مرے دینے والے مجھے درد دل دے

نہیں چاہیے مجھ کو آرام کا دل | نہیں چاہتا میں دد و دام کا دل
ہے پہلو میں میرے فقط نام کا دل | نہیں درد جب دل میں کس کام کا دل

تپش دے خلش دے غمِ جاں گسل دے
مرے دینے والے مجھے درد دل دے

میں اڑ جاؤں رنگِ رخِ زرد ہوکر نہ لوں چین اک جائے دل سرد ہوکر
تجسس میں تیری رہوں گرد ہوکر ہمیشہ تڑپتا رہوں درد ہوکر

تپش دے خلش دے غمِ جاں گسل دے
مرے دینے والے مجھے درد دل دے

الٰہی دلِ پاکِ احمدؐ کا صدقہ نبیؐ مکرم کے گنبد کا صدقہ
ترے درد والوں کی مشہد کا صدقہ محبت عطا کر محمدؐ کا صدقہ

تپش دے خلش دے غمِ جاں گسل دے
مرے دینے والے مجھے درد دل دے

دلِ غم زدہ کو کبھی شاد کردے شب و روز مصروفِ فریاد کردے
مری اجڑی بستی کو آباد کر دے مری خاک الفت میں برباد کر دے

تپش دے خلش دے غمِ جاں گسل دے
مرے دینے والے مجھے درد دل دے

مجھے جام صہبائے وحدت عطا کر پھڑکتا رہے دل وہ لذت عطا کر
نہ دولت نہ حشمت نہ ثروت عطا کر مجھے صرف اپنی محبت عطا کر

تپش دے خلش دے غمِ جاں گسل دے
مرے دینے والے مجھے درد دل دے

☆☆☆

☆

تو ہو کسی بھی حال میں مولا سے لو لگائے جا
قدرت ذو الجلال میں کیا نہیں گڑگڑائے جا
بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے مگر پنجرہ میں پھڑپھڑائے جا

............☆............

اشک یوں ہی بہائے جا دل کی لگی بجھائے جا
آہیں بھی کھینچ کھینچ کر آتشِ غم بڑھائے جا
حسن تماشہ دوست کو عشقِ کرشمہ ساز تو
کھیل یوں ہی نئے نئے شام سحر دکھائے جا

............☆............

ضربیں کسی کے نام کی دل پہ یوں ہی لگائے جا
گو نہ ملے جواب کچھ در یوں ہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں در اس پر ہو کیوں تری نظر
تُو تو بس اپنا کام کر یعنی صدا لگائے جا

............☆............

تیری بلا سے کچھ بھی ہو تُو تو ادا دکھائے جا
روتا ہے روئے کل جہاں تو یوں ہی مسکرائے جا
غم سے کہاں فراغ ہے دل پہ تو روز داغ ہے
قبضہ میں تیرے باغ ہے نت نئے گل کھلائے جا

امر بالمعروف، نہی عن المنکر

الحمد للّٰہ نحمدہ‘ ونستعینہ‘ ونستغفرہ‘ ونعوذ باللہ من شرور أنفسنا ومن سیّاٰت أعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ‘ ومن یضللہ فلاھادی لہ ونشھد أن لّا الٰہ إلّا اللہ ونشھد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ‘ ورسولہ‘ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین. أمّا بعد! فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. ”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ“(البقرۃ: ۱۱۰) صدق اللہ مولانا العظیم.

امتِ محمدیہ کے لیے خیر امت کا پروانہ:

سامعین! اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اس امت کو خیر امت بیان فرمایا اور قیامت تک رہنے والی اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے صدقہ میں خیر امت کا لقب دیا ہے۔

اور اس کی خیریت کا راز بھی بیان فرمایا کہ خیر ہونے کا راز کیا ہے؟ یوں تو اولاد آدم سب یکساں ہیں، سب کے سب اسی ہاتھ پیر کے ساتھ اور ظاہر و باطن کی ان ہی ترتیب کے ساتھ انسان کہے جاتے ہیں، لیکن کوئی انسان خیر ہے اور کوئی شر ہے، کوئی انسان خیر البریّہ کہا جاتا ہے کوئی شر البریّہ بنتا ہے، بظاہر دیکھنے میں سب ہی انسان ہیں، مولانا رومیؒ نے اس کو

سمجھایا ہے۔

گر بصورت آدمی انسان بدے   احمد و بو جہل ہم یکساں بدے

اگر اسی ہاتھ پاؤں سے انسان انسان کہے جاتے تو ابوجہل جو انسانیت کے لیے ایک داغ دھبہ ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانیت کے لیے ایک شرف اور عزت ہیں، دونوں برابر ہو جاتے، لیکن دونوں میں بہت فرق ہے، آسمان و زمین کا فرق ہے، ان دونوں میں سے ایک خیر البریّہ اور دوسرا شر البریّہ کا مصداق ہے۔

اس لیے فرمایا تمہیں خیر امت کیوں بنایا گیا؟ خیر امت کا عنوان اللہ تبارک وتعالیٰ نے کیوں عطا کیا، ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' اس لیے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کی نفع رسانی کے لیے بھیجا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''لِلْمُؤْمِنِیْنَ'' نہیں فرمایا (بلکہ) للناس فرمایا، اور چونکہ لام نفع کا معنیٰ دینے کے لیے (بھی) آتا ہے تو پوری عبارت یوں ہوگی ''کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِنَفْعِ النَّاسِ'' کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سارے انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بھیجا ہے۔ (معارف القرآن: ج۲ص۱۴۹-۱۵۰)

انسانوں کی دو قسمیں:

انسان کی دو قسمیں ہیں، مفید غیر مفید، نافع منتفع، دینے والے لینے والے، ایک ہاتھ اوپر ایک ہاتھ نیچے، یہی ساری دنیا کی تقسیم ہے، دنیا میں دو ہی طرح کے لوگ ہیں، کچھ دینے والے کچھ لینے والے، جو دیتا ہے وہ نافع کہلاتا ہے، جو لیتا ہے وہ منتفع کہلاتا ہے۔

جیسے اوپر کا ہاتھ دینے والا بہتر ہوتا ہے، ایسے ہی نفع پہونچانے والا بھی بہتر ہوگا اور نفع اٹھانے والا اس کے مقابل میں کمتر ہوگا، بس یہی پوری دنیا کی تقسیم ہے، جو نافع ہے وہ حکمراں ہیں اور جو منتفع ہیں وہ ماتحت ہیں، اب آپ کہنے لگے کہ صاحب ہم تو مجبور ہیں، ہم تو

ماتحت ہیں، نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو ہاتھ دیئے ہیں، چاہیں تو اس ہاتھ کو ایسے کرلیں (یعنی دینے والے بن جائیں) یا چاہیں اس ہاتھ کو ایسے کرلیں (یعنی لینے والے بن جائیں)۔

ہم سوچیں گے کہ ہم تو مولوی ہیں، پیدا ہوئے ہیں لینے کے لیے چندہ مانگنا ہمارا کام ہے، نہیں، (ایسی بات نہیں ہے) ذہن کا فرق ہے۔

حضرت محی السنہ علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ:

اس پر ایک قصہ سنادوں، ایک صاحب مال دار تھے، اہل مال جو دین سے بیچارے دور رہتے ہیں، ان کو (اپنے) مال پہ کچھ زعم ہوتا ہے، تو وہ شخص ہمارے حضرت والا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ کے یہاں کہنے لگا کہ حضرت میں جہاں جاتا ہوں کچھ دے کر آتا ہوں، حضرت نے فرمایا اور میرا ہاتھ ہردم اوپر ہی رہتا ہے، میں بڑے بڑے کے یہاں گیا (اور چونکہ) حضرت کو ان کی بھی اصلاح کرنی تھی، تو فرمایا آپ نے تو یہاں کچھ بھی نہیں دیا، اس پر انہوں نے کہا نہیں نہیں، حضرت میں ابھی پیش کر رہا ہوں، پھر انہوں نے جھٹ سے پانچ سو کا نوٹ نکالا اور حضرت کے سامنے پیش کیا، حضرت نے ایسے ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کے روپیہ پر رکھا اور اسے اٹھالیا اور فرمایا بھائی ہاتھ آپ کا نیچے تھا یا میرا......؟ اس پر وہ شخص چکرا گیا، دنیاوی پڑھا لکھا آدمی تھا، اس پر انہوں نے کہا کہ حضرت آپ نے تو بڑی عجیب بات کہی میں تو یہ سمجھتا تھا کہ دینے والا ہاتھ اوپر اور لینے والا نیچے ہوتا ہے، فرمایا نہیں، کیوں کہ تم نے بظاہر کچھ پیش تو کیا ہے لیکن لینے کی نیت سے اور میں نے تم سے لیا تو ہے مگر دینے کی نیت سے اس لیے اس وقت ید علیا میں اور ید سفلیٰ آپ ہیں۔ خواجہ صاحب نے کہا تھا کہ:

جائے جسے مجذوب نہ زاہد نظر آئے
اور بھائے نہ جسے رند وہ پھر کیوں اِدھر آئے

اور کہو کہ جو میرے گھر آئے وہ میرا احسان مان کر آئے، مجھ کو احسان جتا کے نہ آئے، اب سمجھ گئے، انسان کے ذہن ودماغ کے استعمال کا یہ اثر ہے کہ کوئی کسی سے لینے جاتا ہے اور کوئی کسی کو دینے جاتا ہے۔

اپنا ایک واقعہ:

ایک مرتبہ میرا سفر بمبئی کو تھا اور ایک صاحب میرے ساتھ میں تھے، اور وہ مدرسہ کے سفیر بھی تھے، انہوں نے فرمایا کہ صاحب ہم آتے ہیں تو پریشان رہتے ہیں، کوئی ملتا ہی نہیں اور یہ سیٹھ (مالدار) آپ کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اور وہ جو سفر تھا پہلا سفر تھا تو میں نے ان کو خاموش کرنے کے لیے برجستہ کہا کہ آپ لینے آتے ہیں اور میں دینے آتا ہوں، اس لیے جب میں دینے آتا ہوں تو اللہ کا شکر ہے کہ ہزار کروڑ والے آدمی کو کچھ دینے کی نیت سے مخاطب ہوتا ہوں اور کبھی خیال نہیں آتا کہ مجھے یہ کچھ دے گا، بلکہ میں ان کو دینے کے لیے آتا ہوں، اس لیے وہ ہمیشہ ماتحت بن کر رہتا ہے، ناز ونکھرے اٹھاتا ہے، ذرا ڈانٹ وڈپٹ سنتا ہے اور ہزار نکھرے بھی برداشت کرتا ہے، اور جس دن نیت بدل گئی اس دن معاملہ پلٹ جائے گا۔

مخلوق خدا کو نفع پہونچانے کی فکر کیجیے:

بہر حال اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں نفع پہونچانے کے لیے بھیجا ہے، تو میرے دوستو، آپ نے مخلوق کو نفع پہونچانے کے لیے کیا کام کیا ہے، اگر کچھ بھی کام نہیں کیا یا پھر ذہن ودماغ میں کرنے کا خیال بھی نہیں آتا تو پھر آپ خیریت سے کھسک جائیں گے، خیر والی صفت اپنانی پڑے گی، اس لیے فرمایا:

''اُخرِجَتْ لِلنَّاسِ''۔

اب ''اُخْـرِجَـتْ لِلنَّاسِ'' یعنی لوگوں کو نفع پہونچانے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ انسان کسی کو دس روپیہ دیدے تو یہ دنیا کا نفع پہونچانا ہوا۔

نفع رسانی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی کو دین کا نفع پہونچایا جائے۔

ظاہر ہے کہ دین کا نفع دائمی ہے اور دنیا کا نفع عارضی ہے۔

اگرچہ دنیا کا نفع جس سے پہنچتا ہے اس کا بھی شکر گذار رہنے کا حکم دیا گیا ہے ''مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ'' فرمایا کہ تمہارے لیے جو نعمت کا ذریعہ بنتا ہے اس کا بھی شکریہ ادا کیا کرو، اس لیے کہ دنیا کا نفع بھی خارج از نفع نہیں ہے، وہ بھی ایک نفع ہے، لیکن ظاہر ہے کہ دین کا نفع اس سے بہت بڑا ہے، جس کا ہر ہر کام دائمی نفع دینے والا ہمیشہ ہمیش ثمرہ دینے والا ہو تو اس کا مقام ہی الگ ہے۔

اہل اللہ، انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام، حضرات صحابہ کرام اور اولیاء اللہ دین کے نفع پر اس لیے جمے رہے کہ اس کا نفع دائمی تھا، ان کو بھی نفع پہونچانے کا جذبہ تھا، نفع اٹھانے کا جذبہ نہیں تھا، بادشاہ سے بھی ہم کلام ہوئے تو کبھی لینے کے خیال سے نہیں گئے، اس لیے وہ نافع تھے۔

انسان کے کمال کی دو قسمیں ہیں:

آگے اللہ تعالیٰ نے ''اُخْـرِجَـتْ لِلنَّـاسِ'' کی شرح فرمائی ہے ''تَـأْمُـرُوْنَ بِـالْـمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ'' کہ کسی انسان کو تم اچھی بات بتاؤ اور بری بات سے روکو، اللہ تعالیٰ نے یہ دو باتیں اس لیے بتایا کہ انسان کے اندر جو کمال ہے وہ دو طرح کا ہے، بالفاظ دیگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو عبادت دی ہے وہ دو طرح کی ہے، ایک کرنے والی

عبادت ،ایک رکنے والی عبادت، چنانچہ عبادتیں بھی فرض فرمائی، جیسے نماز ایک فعلی عبادت ہے،اس کو کرنا پڑتا ہے، روزہ رکنے والی عبادت ہے، اس لیے کہ روزہ کی تعریف کی گئی ہے ''تَرْکُ الْأَکْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ مِنَ الصُّبْحِ اِلَی الْغُرُوْبِ بِنِیَّۃٍ مِنْ أَھْلِہٖ'' (کنز الدقائق:۶۴-۶۵)

روزہ نام ہے کھانے پینے اور جماع سے رکنے کا، معلوم ہوا انسان کے اندر کچھ کرنے کی بھی صلاحیت ہے اور رکنے کی بھی صلاحیت ہے، دونوں کاموں کا درست ہونا ضروری ہے۔

لہٰذا کرنے والی صلاحیت بھی درست ہو اور رکنے والی صلاحیت بھی درست ہو، جیسے گاڑی میں اکسلیٹر بھی ہوتا ہے جو گاڑی کو بھگاتا ہے، اور گاڑی میں بریک بھی ہوتی ہے جو گاڑی کو روکتی ہے، اگر یہ دونوں چیزیں گاڑی میں نہ ہوں تو گاڑی ناقص ہے اور منزل تک نہیں پہونچ سکتی ہے۔

اگر ہم یہ سوچیں کہ اکسلیٹر ہی دباتے چلے جائیں اور ہوا میں اڑ جائیں تو اگلے موڑ پر پاؤں ٹوٹ جائے گا اور منزل تک نہیں جاسکو گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے کرنے اور نہ کرنے کے بیچ عمل اور کف کے بیچ آپ کو بندہ بن کر رہنے کا حکم دیا ہے، اس لیے کرنے کی بھی صلاحیت درست ہونی چاہئے اور رکنے کی بھی صلاحیت درست ہونی چاہئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ:

امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے، امام بخاری لکھتے ہیں کہ حضرت عمر سے ایک صاحب ملاقات کرنے کے لئے باہر سے آئے اور حضرت عمر فاروق کے یہاں ''حُر'' نامی خادم رہتا تھا جو ان کی مجلس میں آتا جاتا تھا، تو انہوں

نے کہا کہ آپ کا ان سے رشتہ اور تعلق ہے، تو میرے لیے ان سے ملاقات کے لیے کچھ وقت لے لو، (تو اجازت لینے پر) حضرت عمر نے کہا ٹھیک ہے (اجازت دیدو) تو اس نے آتے ہی کہا کہ عمر تم مجھے کچھ دیتے نہیں، اتنے دن سے امیر المؤمنین بنے ہو، آپ امیر المؤمنین ہو تو مجھے کیا ملا، بس حضرت عمر کو کرنٹ لگ گیا، حُر نامی خادم جو تھے وہ بہت ماہر فن تھے اور حضرت عمر کے مزاج سے آشنا تھے، تو حُر نے حضرت عمر کے غصہ کو کم کرنے کے لیے یہ آیت پڑھنی شروع کی ''وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ '' (سورۂ اعراف:۱۹۹) یہ آیت انہوں نے جب پڑھی تو حضرت عمر کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، اس پہ امام بخاری علیہ الرحمہ نے جو وصف بیان کیا ہے وہ بہت عجیب ہے، فرمایا کہ ''كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللهِ'' اللہ تعالیٰ کی کتاب کے سامنے حضرت عمر وقّاف تھے، اللہ تعالیٰ کا حکم آتے ہی بالکل بریک جام ہوجاتی تھی، مجال تھا کہ گاڑی آگے کھسک جائے، اللہ کے احکام اور اس کے حدود کی اس قدر رعایت کرنے والے تھے کہ اس غیظ وغضب میں بھی اپنے آپ کو بریک لگا کر کھڑے ہوجاتے تھے، تو حضرت عمر کی جو شان بیان کی ''کان وقّافاً عند کتاب اللہ '' کہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے فرمان آنے کے بعد عمر بالکل خاموش ہوجاتے تھے۔ (بخاری شریف:۴۶۴۲)

خلاصہ :اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اگر روکنے کی صلاحیت صحیح نہ ہوتو گاڑی صحیح نہیں چل سکتی۔

ہم یہ سوچتے ہیں کہ خیر کا کام کرتے جائیں اور شر کی مشین بھی چلتی رہے تو یاد رکھئے خیر وشر میں شر ہمیشہ غالب رہتا ہے، ایک بالٹی پانی رکھیں اور ایک قطرہ پیشاب اس میں ڈالدیں تو یہ ایک قطرہ پیشاب ایک بالٹی پانی کو ناپاک کردے گا۔

انسان کے گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے اس کی جو رسوائی ہوتی ہے وہ رسوائی

ان اچھے اچھے کاموں پر جو سالہا سال میں نیک نامی کا سبب بنا تھا، وہ ایک گناہ کی وجہ سے ختم ہو جاتی ہے۔

ایک منہی عنہ کو چھوڑنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہے:

اس پر بہت سے لوگوں نے عجیب عجیب بات لکھی ہے، اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں جو بھیجا ہے وہ ارتکاب نہی کا ثمرہ ہے، فرمایا تھا کہ اس درخت کے قریب بھی مت جانا ''وَلَاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظَّالِمِيْنَ ''(البقرۃ:۳۵)معلوم ہوا کہ ایک منہی عنہ کے ارتکاب کی وجہ سے اتنی بڑی دنیا بس گئی، مامورات میں تو ''مَا اسْتَطَعْتُمْ '' کی قید ہے کہ تم سے جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرو، لیکن گناہوں سے بچنے میں ''مَا اسْتَطَعْتُمْ '' کی قید نہیں ہے، اس میں بس رکنا ہے، حکم ہوا کہ اس کو چھوڑ دو تو چھوڑ دیا جائے، کسی انسان کے اندر کمال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ منہیات سے بچے اور مامورات پر جمے، اللہ تعالیٰ نے ''تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ '' سے یہی بات بیان فرمائی ہے کہ تم لوگوں کو اچھائیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو، اگر برائیوں سے روکنے کا کام نہیں کیا گیا تو دنیا کچھ اچھائیوں میں ضرور آگے بڑھے گی لیکن برائیوں میں سبقت کر جائے گی اور پورے ماحول پر برائی غالب آجائے گی۔

آج آپ دیکھیں ایک بندہ اشراق پڑھتا ہے، چاشت پڑھتا ہے اور کبھی کبھار تہجد بھی پڑھ لیتا ہے، لیکن گھر میں ٹی وی بھی رکھے ہوئے ہے اور گانا بھی سنتا رہتا ہے، بے پردگی کا بھی کوئی خیال نہیں، ایسا کیوں؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان سوچتا ہے کہ نماز غالب آجائے گی، ایسا نہیں ہے نماز کا نفع جب ملے گا جب کوئی برائی آگے سے آپ نہ لائیں اگر عبادتیں کرتے رہیں اور برائیوں سے بچنے کی کوشش نہیں کی گئی تو پھر پورے ماحول پر برائی

غالب ہو جائے گی۔

اس لیے امت کے لیے سب سے بڑا خیر کا کام یہ ہے کہ امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر رکھا جائے، اور صحابہ کی سب سے بڑی شان یہی تھی کہ صحابہ گناہوں سے بہت دور رہنے والے تھے، چنانچہ ترمذی شریف کی ایک روایت ہے جس میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ صحابہ کو میرا سلام کہہ دو...... وہ بڑے پاکدامن ہیں ''**قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم إقرئ السلام فإنّهم ما علمت اعفّة صفر**'' (ترمذی شریف رقم الحدیث:۳۹۰۳)

اور دوسری روایت میں ہے ''**أصحابی اعفة صبر**'' کہ میرے صحابہ بڑے پاکدامن ہیں، مجال ہے کہیں سے ان کا فقر و فاقہ جھلک جائے، لوگ سی، آئی، ڈی کی طرح ان کا حال پتہ چلاتے تھے، لیکن پتہ نہیں چلتا تھا۔

اور آج جب مال خواص پر اثر انداز ہو گیا ہے، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا صحابہ دکھانا تھا اس لیے فرمایا ''**أصحابی اعفّة صبر**'' اور رسول اللہ نے حدیث میں صُبر (بضم الصاد) فرمایا، جو اصبر کی جمع ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے صحابہ میں اچھے کاموں پر جمنے کی بڑی صلاحیت ہے۔

حضرات صحابہ کا اچھے کاموں پر جمنے کا ایک واقعہ:

آپ دیکھیں غزوہ موتہ میں چھوٹے چھوٹے تین ہزار کا لشکر لے گئے، لوگوں نے کہا کہ وہ دشمن تو ڈھائی تین لاکھ ہیں، تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کوئی بات نہیں، شہادت کیوں چھوڑ دوں، اصل تو یہی ہے، یہ سنتے ہی لوگ کود پڑے۔ (سیرۃ النبی ﷺ علامہ شبلی نعمانی وعلامہ سید سلیمان ندوی: ۱/۲۸۷ مکتبہ مدینہ لاہور، سیرۃ المصطفیٰ: ۲/۴۷)

برائی چھوڑے بغیر کوئی شخص کامیاب نہیں ہوسکتا:

آج خود ہمیں اپنے اعضاء و جوارح کا نفع نہیں مل رہا ہے، تو اس کی وجہ یہی ہے کہ اگر ہم ایک اچھی چیز کو پکڑے ہوئے ہیں تو دس بری باتیں بھی ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہیں، ان برائیوں کو نہ تو ہم چھوڑنے کے لیے تیار ہیں اور نہ ان برائیوں کو چھوڑانے والے کی بات سننے کے لیے تیار ہیں، اور سمجھتے یہ ہیں کہ یہ برائی چھوڑے بغیر بھی ہم کامیاب ہوجائیں گے، تو سن لو! برائی چھوڑے بغیر کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا، اگر کامیابی ہوجاتی تو کیوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان برائیوں سے روکتے، اگر مسلمان کامیاب ہوجاتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ منہیات سے کیوں منع فرماتے، منع فرمانے کا راز یہ ہے کہ ہم کو کچھ بنانا چاہتے ہیں۔

اس کو میں ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، جیسے ایک بادشاہ اپنے ولی عہد اور شہزادہ کو چاہتا ہے کہ اس کے تمام علوم صحیح ہوں، بری عادات سے یہ دور رہے، جیسے ایک شاہی گھرانے کی تربیت کی جاتی ہے، جھوٹ سے بچنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اس کو برائیوں سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی ہے، تب جاکر بڑی محنت سے اس کے اندر یہ صفات پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ تو اپنے ہر مؤمن بندہ سے وہی شاہانہ صفات چاہتے ہیں، آپ بتائیں کہ ایک غریب سے غریب انسان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جھوٹ مت بولنا تو گویا اللہ تعالیٰ غریب سے غریب انسان کو بھی ان شاہانہ صفات کے ساتھ متصف رہنا دیکھنا چاہتے ہیں۔

آج یہ غریب انسان سوچتا ہے کہ چونکہ ہم غریب ہیں، اس لیے جھوٹ بولنا ہمارا کام، گالی دینا ہمارا حق ہے، بے ایمانی کرنا ہمارا شیوہ ہے، کسی کا پیسہ مارلیں یہ ہمارا حق ہے، میرے دوستو! اگر اس کا حق یہ ہے تو اس کی کامیابی ہوگی؟ نہیں ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ میرا ہر مؤمن بندہ متقی ہوجائے اور ہر مؤمن بندہ میرا دوست بن جائے، میری

نعمتیں اس کو کسی سے مانگنے کی ضرورت ہی نہیں، اللہ کا خزانہ تو بھرا ہوا ہے۔

لیکن میرے دوستو! ہمیں لینے کا ڈھنگ نہیں آیا، ہم اس کے دینے کی صفت پر کھرے نہیں اترے، ہم اس کے دینے کی شرطوں کو پورا نہیں کر رہے ہیں، اس لیے مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلا رہے ہیں۔ بہرحال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خیریت کا اوّل تو اعلان فرمایا، دوسرے اس کی صفات بیان فرمائی۔

خیر امت ہونے کا راز:

اللہ تعالیٰ کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کی صفات سے ہوتی ہے، اس کی ذات سے نہیں، کیونکہ سب تو اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، کون ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ نے پیدا کیا؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی صفات بیان فرمائی کہ تمہاری خیریت کے کچھ صفات ہیں، تم ان صفات کو پکڑے رہے تب ہی اس خیریت کے ساتھ متصف رہو گے، وہ ہے ''اخرجت للناس '' کہ تم نفع رسانی کے لیے بھیجے گئے ہو۔

اور اسی نفع رسانی کے جذبہ کے تحت کسی کو اچھی بات بتانا اور بری بات سے روکنا بھی شامل ہے، لیکن یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا اپنے لیے، تو سنئے! مخلوق کی خدمت اللہ کے لیے بہت بڑی عبادت ہے، مخلوق کو صحیح بات بتانا اس امید سے کہ اللہ تعالیٰ اجر دیں گے یہ نبی کا کام ہے، اور مخلوق کی خدمت اس لیے کہ مخلوق ہماری خدمت کرے، ہماری دیکھ بھال کرے تو یہ دنیاداری ہے، اور ایسی صورت میں یہ کام اللہ کے لیے نہیں ہوگا۔

مال لے کر تبلیغ کرنا نبی کے شایان شان نہیں:

میرے دوستو! نبی علیہ السلام کا پیغام ہے ''یٰقَوْمِ لَاأَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا '' (سورۃ

ہود:۲۹) یعنی میں تم سے اس تبلیغ دین پر مال نہیں مانگ رہا ہوں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کی یہ صفت بیان کر کے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ آگے ارشاد فرماتے ہیں ''اتَّبِعُوْا مَنْ لَا یَسْئَلُکُمْ اَجْرًا وَّھُمْ مُھْتَدُوْنَ'' (سورۂ یٰس:۲۱) یعنی وہ آدمی متبوع نہیں بن سکتا جو اجر مانگ رہا ہو، اس کو متبوع بننے کا حق نہیں، قوم کو روک دیا گیا ہے کہ تم ایسے لوگوں کے پیچھے مت جاؤ جو تم سے پیسہ مانگے، کسی سے اگر تم پیسہ مانگو گے تو تمہارا اس سے تجارتی تعلق ہوگا، للّٰہی تعلق نہیں ہوسکتا، اور جب تجارتی تعلق ہوگا تو اس کو نفع نہیں ملے گا، لوگ کہتے ہیں مولوی مولانا کی کیا حیثیت، پانچ سو روپیہ تو ہم خادم کو دیتے ہیں تو پانچ سو روپیہ مولوی کو بھی دو، اور ایک گھنٹہ تقریر کرالو۔

میرے دوستو! وہ پانچ سو روپیہ کو قیمت سمجھ کر آئے گا تو اس کو کچھ نفع ملے گا؟ قرآن کہتا ہے ''اتَّبِعُوْا مَنْ لَا یَسْاَلُکُمْ اَجْرًا وَھُمْ مُھْتَدُوْنَ'' کہ ایسے لوگوں کی اتباع کرو جو خود ہدایت یافتہ ہوں اور اپنی ہدایت کی فکر کے ساتھ زندگی گذار رہے ہوں اور دنیا بھی نہ مانگے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے اور محبت کے دعویٰ میں دینا سکھایا جاتا ہے لینا نہیں سکھایا جاتا، جو محبت کا حامل ہوتا ہے وہ چاہتا ہے ہم کیا قربان کردیں، جیسا کہ عشق مجازی میں مبتلا شخص معشوقہ کی یاد میں اپنی جان بھی قربان کردیتا ہے۔

اگر کسی کے اندر یہ صفت پیدا نہیں ہوئی اور ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے تو سمجھ لیں کہ ان کے اندر محبت پیدا نہیں ہوئی ہے اور وہ محبت نہیں کر رہا ہے، بلکہ وہ اپنی ذاتی غرض پر محبت کا لیبل لگا رہا ہے۔

محبت کی ایک انمول مثال:

اور میں اس کی مثال یہ دیتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’إِنَّ مِنْ اَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ أَبَابَكْرٍ‘‘ (البخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب قول النبی ’’سُدُّوا الْأَبْوَابَ إِلَّا بَابَ أَبِيْ بَكْرٍ‘‘: ۵۱۶/۱، الرقم: ۳۶۵۴) کہ لوگو! میں سب سے زیادہ جس کا احسان میں سمجھتا ہوں خدمت اور مال کے لحاظ سے تو وہ ابوبکر ہیں۔

میرے دوستو! جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرف اور اعجاز دیا ہو موقع بہ موقع اس کا اعلان بھی کیا ہو، لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تصور کیا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب اور خلیفہ بن سکتا ہوں، اور کبھی یہ خیال بھی نہیں آتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جانشین بنا کر جائیں گے، اس لیے کہ میری کارگزاری ہی کیا ہے؟

اتنی عظیم ذات وشخصیت اور اللہ کے محبوب کی ذات پر جو میں نے خرچ کی ہے وہ تو ان کی شان سے بہت کم تھا، لہٰذا اتنا کم کام کر کے اتنا بڑا ارادہ کیسے کرلوں، معلوم ہوا کہ وہ ابوبکر جن کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی ان کا ہاتھ ہمیشہ کھلا ہی رہا کبھی بند نہیں کئے۔

محبت کی دوسری مثال:

فتح مکہ اور فتح حنین کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تقسیم کیا تو انصار کے نوعمر لڑکوں نے کہا کہ لیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تو اپنے گاؤں گھر کے لوگوں میں بانٹ دیا اور ہم کو دیا ہی نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ بھائی میں نے کب فاطمہ کو دیا اور کب ابوبکر وعمر کو دیا، یہ مال تو میں نے ان لوگوں پر تقسیم کیا ہے جن کا ایمان خطرہ میں تھا، مؤلفۃ القلوب کو میں نے مال دیا ہے، ایمان پختہ کرنے کے لیے، اگر میں

اپنوں میں بانٹتا تو یہ میرے تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نمبر مال لینے والوں میں کبھی آیا ہی نہیں، ہمیشہ وہ خرچ کرنے والوں میں تھے۔(زادالمعاد لابن قیم الجوزی:۱/۲۱۰ فصل فی قسمۃ صلی اللہ علیہ وسلم للمؤلفۃ قلوبہم)

نبی علیہ السلام کی تین پسندیدہ چیزیں:

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تین چیزیں پسند ہیں، تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یارسول اللہ! مجھے بھی عرض کرنے کی اجازت ملے، فرمایا مجھے بھی ان کے مقابل میں تین چیزیں پسند ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی جو تین چیزیں پسند تھیں وہ تو معلوم ہی ہیں: (۱) عورت (۲) خوشبو (۳) نماز۔

نماز آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، ظاہر ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے نیت باندھتے تو عرش پر اللہ کے سامنے اللہ کے بارگاہ سے رسول اللہ کے لیے جو عظیم تحفہ پیش ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی سے وہ تصور کیسے بھلاتے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''**جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ**'' یقیناً نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھدی گئی ہے، ''**حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمُ النِّسَآءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ**'' (الراوی انس بن مالک المحدث الألبانی، المصدر صحیح الجامع الصفحۃ اوالرقم:۳۱۲۴ خلاصۃ حکم المحدث صحیح التخریج اخرجہ النسائی:۳۹۳۹ واحمد:۱۴۰۶۹ باختلاف یسیر والبیہقی:۱۳۸۳۶ واللفظ لہ)

جب اللہ تعالیٰ نے عرش پر بلوا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعجاز عطا فرمایا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی سے وہ تصور کیسے بھلاتے، آپ لوگ نیت باندھتے ہیں تو نہ جانے کیا کیا تصور اور خیال آتا ہے اور وہ تو اپنے آپ کو بارگاہ الٰہی میں پہونچا ہوا دیکھتے تھے، اس لیے نماز کی ادائیگی میں رسول اللہ کو کتنی خوشی ملتی تھی اور کتنی دلی ٹھنڈک محسوس ہوتی

تھی، اسے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ تو وہی جانے اور اس کا رب جانے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تین پسندیدہ چیزیں:

بہرحال حضرت ابوبکر نے جو بات سمجھائی تھی محبت کا وہی ثمرہ ہے، فرمایا کہ تین چیزیں میری زندگی میں سب سے زیادہ قیمتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا ہے؟ تو فرمایا: ''اَلنَّظَرُ اِلَیْکَ'' یارسول اللہ! میں ایک نظر آپ کو دیکھوں اور ساری کائنات دیکھوں تو یہ مجھے سستی دکھائی دیتی ہے ''وَالْجُلُوْسُ بَیْنَ یَدَیْکَ'' اور جلوس بھی دور کی نہیں بلکہ انفاس قدسیہ کی گرمی بھی مجھے ملتی رہے اور محبت کی لپٹ جو آپ کی باتوں سے نکلتی ہے وہ بھی ملتی رہے، اور تیسری چیز ''وَانْفَاقُ مَالِیْ عَلَیْکَ'' کہ جو کچھ میرا ہے وہ سب آپ پر قربان ہے، میری کوئی چیز باہر نہ جائے، سب آپ پر قربان ہوتی رہے، میرا یہی جذبہ ہے، تو معلوم ہوا کہ محبت اسی چیز کا نام ہے، یعنی محبت دینا سکھاتی ہے۔

ہمدردیٔ مخلوق کے وقت نظر اللہ تعالیٰ پر ہونی چاہیے:

بہرحال مجھے تھوڑی سی بات سنانی تھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ'' دیکھو! یہ کام اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے کرو، اللہ تعالیٰ سے اس کا کچھ بدل مانگتے ہوئے کرو، اللہ کی مخلوق کے ساتھ اگر کچھ ہمدردی کررہے ہو تو ان کی جیب کاٹنے کے چکر میں مت رہو، اگر اس کی جیب کاٹنے پر اور اس کی جیب پر نظر رکھو گے تو تو نے میرا کام نہیں کیا ہے، تو نے اس کا کام کیا ہے، اس لیے اس سے معاملہ مت کرو، کیونکہ دنیادار نہ تجھے دنیا دے گا اور نہ اللہ تعالیٰ نصیب ہوگا، مثل میں کہتے ہیں ''دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا'' ایسا ہی وہ شخص دھوبی کا کتا بن کر رہ جائے گا۔ ع

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

اس لیے سمجھایا کہ تم پوری امت خیر امت کیوں ہو؟ اس کے کچھ صفات ہیں ان صفات میں سے اگر کچھ کمی ہے تو ان صفات کو حاصل کرو، اگر صرف امر بالمعروف کا کام کرتے ہو تو نہی عن المنکر بڑھاؤ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں کرتے ہو تو اللہ کے تعلق اور ایمان کو مستحضر رکھو، اللہ کے تعلق کو اگر مستحضر نہیں رکھو گے تو مزدوری مخلوق سے مانگتے رہو گے، تو یہ کام للہ نہیں ہوگا، یہ کام للمخلوق ہوگیا۔

حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے اندر اللہ کا تعلق غالب نہ ہو اس کے لیے مخلوق کی کوئی خدمت جائز نہیں، مخلوق کو پڑھانا ان کی تبلیغ کرنا التحیات وغیرہ سکھانا جائز نہیں ہے، یہ سکھانا جائز جب ہوگا جب کہ تم مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے جوڑو گے، اگر مخلوق کو اللہ سے نہیں جوڑتے اپنے سے جوڑتے ہو تو یہ دین نہیں دنیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھا دیا کہ دیکھو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جہاں بھی گئے انہوں نے مخلوق کو اللہ سے جوڑ دیا۔

میرا ایک واقعہ:

ایک دفعہ میں اپنے شیخ محی السنہ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی علیہ الرحمہ کے ساتھ سفر میں رہا تھا، تو کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت کو وہاں کوئی جانتا ہی نہیں، کیونکہ اس علاقہ میں حضرت کا پہلا سفر تھا، تو میں نے کہا کہ جو مجھے جانتے ہوں اور حضرت کو نہ جانتے ہوں تو اس کو میرے جاننے پر لعنت ہے، اگر اس نے مجھے جانا تو کچھ بھی نہیں جانا، اس لیے کہ اگر کوئی للہ کام کر رہا ہو اور اللہ کے تعلق کا اس پر اثر پیدا نہ ہو اور سوچے

کہ پیر صاحب ہی پہونچا دیں گے تو آپ سمجھئے کہ اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوا، اس لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر والا کام اللہ تعالیٰ پر ایمان کے استحضار کے ساتھ ہوگا، تب خیر امت بنو گے، اور اگر اس سے ہٹ گئے تو نہیں بن سکتے۔

بات سمجھ میں آ گئی! اگر آ گئی تو اپنے اندران صفات کو ٹٹولو کہ کتنی ہیں، اگر کم ہیں تو پورا کرو، اگر ناقص ہے تو اس کو کامل کرو، اللہ تعالیٰ جب ہی خیریت سے نوازیں گے اور جب ہی خیر امت کا لقب ہمارے حق میں باقی رہے گا، اور اگر ہم ان صفات سے خالی ہو گئے تو یہی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے، جہنم کا ایندھن کون بنے گا؟ یہی لوگ بنیں گے، جو موجود ہیں، جن کے اندر یہ صفات نہ ہوں۔

دعوۃ الحق کے عنوان سے کام ہونے کا راز:

ایک بات اور کہہ دوں کہ دعوۃ الحق کے عنوان سے جو کام ہو رہا ہے اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہی ہے کہ یہ نسخہ حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا مرتب کردہ ہے، حضرت کا یہ نسخہ اپنی نافعیت میں بے مثال ہے، اگر حکیم الامت کی مرتب کردہ بہشتی زیور وقت کی موجودہ کتابوں میں فائق ترین کتاب سمجھی جاتی ہے اور حضرت کا اصلاحی نظام ہمارے لئے مفید گردانا جا رہا ہے اور حضرت کی تفسیر اور علوم فقہ کو اگر ہم افقہ من الشامی کہتے اور سنتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا یہ مرتب کیا ہوا نظام اپنی نافعیت میں بڑھا ہوا رہے گا، کیوں کہ حضرت والا کا یہ نسخہ بہت اعتدال کے ساتھ اور شریعت کے تمام اصولوں کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا تعلیمات تھانوی کے متعلق اظہارِ خیال:

یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب علیہ الرحمہ کہتے تھے کہ میں اپنی بھاگ دوڑ اور محنت کو چاہتا ہوں کہ حضرت کی تعلیم سے آراستہ کروں، میرے بھاگ دوڑ اور میرے نظام میں حضرت تھانوی کی تعلیمات آجائیں۔

میرے دوستو! اس کی وجہ سے امت صراط مستقیم پر پھر پہونچ جائے گی اور اگر اس کا خیال نہیں کیا گیا تو امت راستہ پر چلتی تو رہے گی لیکن منزل کے قریب ہونے کے بجائے منزل کی دوسری جانب چلی جائے گی۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملّت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی کام علماء کی نگرانی سے اور حدود شرعیہ پر باقی رہنے کے فکر سے الگ ہوکر ہوتا ہے، تو وہ کام دین بننے سے نکل جاتا ہے، ظاہر ہے دین بننے کے لیے کچھ شرطیں ہیں، ان شرطوں کی جب تکمیل ہوگی تب جاکر وہ دین رہے گا، اور اگر کوئی ان شرطوں کو نہ جانے یا شرطوں کا لحاظ نہ کرے تو یقیناً وہ عمل دین نہیں بن سکتا۔

دین کی باگ ڈور اہل علم کے ہاتھوں میں ہونی چاہیے:

اس لیے فرمایا کہ جب کوئی کام صرف عوام کے ہاتھوں میں پڑ جاتا ہے تو وہ حدود شرعیہ سے محروم ہوجاتا ہے، اور جب وہ حدود شرعیہ سے محروم ہوجائے گا تو وہ عبادت نہیں رہے گا، جیسے نماز پڑھنے کے لئے آپ کو سکھایا گیا کہ پیر اس طرح رکھو، رکوع اس طرح کرو وغیرہ، اس کا راز یہی ہے کہ ہماری نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والی باقی رہے، ایسا نہ ہو کہ ہم گاؤں والی نماز چالو کردیں، اور علاقہ والی نماز چل پڑے اور اسی طرح پوری زندگی کھینچتے چلے گئے، اگر گاؤں والی نماز پڑھتے رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مشابہ نہ ہونے کی وجہ سے اجر سے خالی ہوجائے گی۔

مسلمانوں کے ہر عمل کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہونے کے لیے چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

میرے دوستو! مسلمانوں کا ہر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق ہو جائے تو اس میں خصوصاً چند شرطوں کی رعایت ضروری ہے:

(۱) علم شریعت (۲) علم شریعت رکھنے والے کی نگرانی (۳) اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی تربیت (۴) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا اہتمام، اگر ان شرطوں کی رعایت کی گئی تب وہ دین بنے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو خود اپنے اندر اپنے سارے اعمال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے مطابق بنانے کا جذبہ عطا فرمائے۔ (آمین)

دیکھئے ایک مستری کوشش کرتا ہے کہ ہم تاج محل والا پھول کاٹ لیں، تاج محل والا پھول کاٹنے میں اپنا کمال سمجھ رہا ہے، تو ایسا ہی اگر آپ اپنے عمل کو اپنے رسول کے عمل کے مطابق بنانے میں کامیاب ہو گئے تو یقیناً آپ کے ہاتھ پیر کی قیمت واصول ہو گئی، اور اگر آپ یوں ہی چلتے چلاتے رہے تو پھر اس سے کوئی نفع حاصل ہونے والا نہیں۔

حضرت ہردوئی علیہ الرحمہ کا حرم شریف میں دعا کرنا:

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے جب دعوۃ الحق کے عنوان سے کام جاری فرمایا تو حضرت ہردوئی فرماتے ہیں کہ میں نے حرم شریف میں دعاء کی کہ اے اللہ مجھے یہ کام کرنے کی توفیق عطا فرما۔

چنانچہ قطب الاقطاب شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ نور اللہ مرقدہٗ خلیفہ اجل حضرت حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں دعوۃ الحق کا نظام ہردوئی میں چلا، پھر اسی نظام کے

تحت کام چلا، کافی محنت بھی حضرت والا نے کیا اور خود حضرت تھانوی علیہ الرحمہ اس جگہ کو اس کام کے لیے زیادہ پسند بھی کرتے تھے۔

اس تحریک کا ''دعوۃ الحق'' نام رکھنے والے حضرت پھولپوریؒ ہیں:

ایک مرتبہ دادا جانؒ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی مجلس میں تھے، تو حضرت حکیم الامت نے اس وقت کے جو خاص علماء ان کی مجلس میں تھے، ان سے فرمایا کہ اس کا نام تجویز کیجئے، دادا جان پہلے ہی بیٹھے تھے اور لوگ خاموش رہے تو حضرت حکیم الامت دادا جان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: مولانا آپ کہیں! تو دادا جان نے یہ آیت پڑھی ''لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ'' حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ بس اس کا نام دعوۃ الحق رکھ دیا گیا۔

لہٰذا اس مدرسے کا بانی مدرسہ سے جس طرح تعلق اور مناسبت ہے ایسے ہی دعوۃ الحق کا جو نظام حضرت تھانوی نے مرتب کیا تھا، اس نظام کے نام سے بانی مدرسہ (کے ساتھ ایک طرح) کا ایک خاص تعلق خاص ہے۔

دعوۃ الحق کو فروغ دینے کی ضرورت ہے:

اس لیے اب ضرورت ہے کہ اس کام کو فروغ دیا جائے، اس لیے نہیں کہ صاحب یہ کام بانی کا تھا، بلکہ اس لیے کہ یہ نظام سنت سے بہت زیادہ مزین ہے، اور اس کے اندر سنت کی پاسداری موجود ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت پر عمل کا جذبہ دے اور ہم سب کو سنت کی احیاء نصیب فرمائے۔ (آمین)

دعوۃ الحق کے نظام سے احیائے سنت مقصود ہے:

حضرت والا تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کوئی نظام مقصود نہیں ہوتا بلکہ جس

نظام سے سنت زندہ ہوتی ہے وہی نظام مقصود ہوتا ہے، اللہ اور رسول کے طور وطریق کے علاوہ کسی کا کوئی نظام مقصود نہیں۔

حضرت نے یہاں تک لکھا ہے کہ بزرگوں کی رعایت تو کی جاتی ہے، لیکن اتباع تو سنت کا کیا جائے گا، اگر کسی بزرگ پر جلال کا غلبہ ہے، کسی پر جمال کا غلبہ ہے، کسی پر کچھ کا غلبہ ہے اور کسی پر کچھ کا تو ان کی اس میں رعایت کی جاتی ہے۔

بزرگوں کی ناراضگی بڑی خطرناک ہوتی ہے، اس لیے ان کی رعایت تو کی جاتی ہے، لیکن اتباع ان کا جائز نہیں، اتباع تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو مقصود بنانے کا جذبہ عطا فرمائے اور اسی نمونہ کو باقی رکھنے کی فکر نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمین

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

چار شرطیں لازمی ہیں استفاضہ کے لیے
اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد

یہ مقفیٰ قول ہے رنگین بھی سنگین بھی
حضرتِ مرشد کا یہ ارشاد رکھ تا عمر یاد

(خواجہ عزیز الحسن مجذوب علیہ الرحمہ)

اخلاص کا نفع اور نفاق کا وبال

الحمد للّٰه نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيّاٰت أعمالنا من يهده الله فلا مضلله ومن يضلله فلاهادى له ونشهد أن لّا الٰه إلّا الله ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدًا عبده، ورسوله، صلى الله تعالٰى عليه وعلٰى آلهٖ وصحبهٖ أجمعين. أمّا بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمٰن الرحيم. " وَالضُّحٰى. وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى. مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰى. وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰى. وَلَسَوْفَ يُعْطِيْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰى. اَلَمْ يَجِدْکَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى " (سورۃ الضحیٰ) صدق الله مولانا العظيم.

سورۃ الضحیٰ کے شانِ نزول کا ایک واقعہ:

میرے محترم بزرگو اور دوستو! اللہ تعالیٰ نے ان آیت مبارکہ میں جس کو میں نے ابھی آپ حضرات کے سامنے پڑھ کر سنایا ہے، نیز سورۃ الضحیٰ کی یہ ابتدائی آیات آپ نے ابھی نماز میں سنی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات مبارکہ میں اپنے محبوب کی کچھ باتیں نقل کی ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایات اس کے ذیل میں موجود ہیں، راوی حدیث ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماری کی وجہ سے دو تین روز صبح کو تہجد میں نہیں

اٹھے، صبح کو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو ظاہر ہے سنّاٹے میں ذکر کی اور تلاوت کی آواز پاس پڑوس کے لوگ بھی سنتے تھے، گھر کے اور لوگ بھی سنتے تھے، تو پڑوس میں رہنے والی ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بدخواہ تھی تو اس نے یہ کہا کہ (نعوذ باللہ) محمد (ﷺ) کا شیطان جو آتا تھا لگتا ہے کہ ناراض ہو گیا ہے۔(الراوی جندب بن عبداللّٰہ المحدث البخاری المصدر صحیح البخاری خلاصة حکم المحدث صحیح واللفظ له: ١٧٩٧ کتاب التفسیر باب تفسیر سورة الضحیٰ)

دوسرا واقعہ:

دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کے رب کی جانب سے دو تین دن سے نوازش نہیں ہو رہی ہے، کیا وجہ ہے؟

''اَبْطَأَ جِبْرَئِیلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَجَزِعَ جَزَعًا شَدِیدًا فَقَالَتْ خَدِیجَةُ إِنِّیْ اَرَیٰ رَبَّکَ قَدْ قَلَاکَ مِمَّا نَریٰ مِنْ جَزَعِکَ قَالَ: فَنَزَلَتْ وَالضُّحٰی وَاللَّیْلِ إِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی.إِلٰی آخِرِهَا '' (الراوی عروة ابن الزبیر المحدث ابن کثیر المصدر تفسیرالقرآن الصفحة اوالرقم:٨/٤٤٦ خلاصة حکم المحدث مرسل التخریج اخرجه ابن ابی شیبة فی المصنف ٤٩٧ /١١ والطبری فی تفسیره :٢٤/٤٨٧)

یہ بات واضح ہے کہ دوست کے مزاج پرسی کا لب ولہجہ الگ ہوتا ہے، اور دشمن کے مزاج پرسی کا لب ولہجہ الگ ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ''ما ودعک ربّک '' کہ نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے، یہ تو ام المؤمنین حضرت خدیجۃ

الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا جواب ہوگیا اور آگے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''**وما قلی**'' کہ نہ تو کوئی دشمنی ہوئی ہے، یہ پڑوسن کا جواب ہوگیا۔

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ عورت بنت سفیان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام حبیبہ کی چھوٹی بہن تھی، قرآن کریم نے اسی کو ''**حَمَّالَةَ الْحَطَب**'' کہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس کو کچھ زیادہ دشمنی تھی، الٹا سیدھا کام زیادہ کرتی تھی، اسی کے بارے میں آتا ہے کہ راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کانٹے بچھا دیتی تھی، بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں صاف صاف اعلان فرمادیا کہ ''**مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی**'' کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا نہیں اور آپ کے رب سے آپ کی کوئی دشمنی نہیں۔ (تفسیر روح المعانی: ۱۵/۱۸۱ مکتبہ امدادیہ پاکستان)

دوست اور دشمن بنانے کا معیار:

دوست اور دشمن بنانے کا معیار انسانوں کا اپنے علم کے مطابق ہوتا ہے، اس کے علم میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، چنانچہ کبھی جگری دوست دشمن بن جاتا ہے اور کبھی بڑا پرانا دشمن دوست میں تبدیل ہوجاتا ہے، ظاہر ہے علم اور تجربہ کی کمی سے یہ فرق آتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان عالم الغیب والشہادہ کی ہے، تو اس کے یہاں یہ تصور بھلا کب ہوسکتا ہے، اللہ کسی کو ایک بار محبوب بنائے تو کبھی اس کو مردود نہیں کرتے، چہ جائیکہ نبیوں کا نبی امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) منتخب ہوکر آئے ہوں اس کے لیے بھلا یہ تصور کیسے ممکن ہوسکتا ہے......؟

شیطان کا سجدہ کرنا خلیفہ بننے کے لیے تھا:

علماء نے لکھا ہے کہ شیطان دس لاکھ سال تک عبادت کرتا رہا لیکن اس وقت بھی وہ محبوب نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: ''اَبٰـی وَاسۡـتَکۡبَـرَ وَکَـانَ مِـنَ الۡکَـافِرِیۡنَ ''(البقرۃ:۳۴) کہ سجدہ کا حکم آنے کے بعد شیطان نے بات ماننے سے انکار کردیا اور بڑائی کا لب ولہجہ اختیار کیا، تکبر کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَکَـانَ مِـنَ الۡکَـافِرِیۡنَ '' وہ تو پہلے ہی سے غلط لائن پر تھا۔

ایک علمی اشکال اور اس کا جواب:

بھائی! وہ عبادت کررہا تھا، کونسی غلط لائن پر تھا، تہجد گذار بھی تھا، پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں ''وَکَـانَ مِنَ الۡکَافِرِیۡنَ ''اس کا جواب یہ ہے کہ اس شیطان کے لیے آتا ہے کہ اس نے عرش اعظم پر ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُـحَـمَّـدٌ رَّسُـوۡلُ اللّٰہِ '' لکھا دیکھا اور جب اِدھر اُدھر پڑھا تو لکھا ہوا تھا ''اِنِّـیۡ جَاعِلٌ فِیۡ الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً '' کہ اللہ تبارک وتعالیٰ زمین پر خلیفہ بنانے جارہے ہیں، تو شیطان نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے، اس لیے اس نے جھٹ سے مصلی پکڑا اور پھٹا پھٹ سجدہ میں اپنا کام چالو کردیا، تو گویا کہ شیطان نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے پہلے دن ہی سجدہ نہیں کیا، بلکہ وہ تو پہلے دن ہی سے سجدہ اس امید سے کررہا تھا کہ میرا نام خلافت میں آجائے اور اللہ مجھے ہی روئے زمین کا خلیفہ بنادیں گے، اس لیے کہ مجھ سے زیادہ کسی کی عبادت نکلے گی ہی نہیں۔

شیطان دس لاکھ سال تک عبادت کرتا رہا، لیکن کس لیے؟ وہ آپ کو معلوم ہوگیا، حالانکہ عبادت کا مقصد دو ہوسکتا ہے، ایک مقصد یہ ہوسکتا ہے کہ معبود کو نفع پہونچانا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کا مسئلہ ''وَاللّٰہُ غَـنِـیٌّ عَـنِ الۡعٰلَمِیۡنَ '' کہہ کر صاف کردیا کہ ایک آدمی کی نہیں بلکہ سارے عالم ہی کے عبادت کی کوئی پرواہ نہیں کیوں کہ تمہاری عبادت سے میری

بڑائی میں کوئی اضافہ ہونے والانہیں۔

اب رہی یہ بات کہ میں نے عبادت کیوں دی ہے؟ اس کا راز کیا ہے؟ اس کا راز یہ ہے کہ تم میرے بندے بن جاؤ! یہ معبود نے اپنی عظمت سمجھانے کے لیے عبادت دی ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عبادت کا تمام نفع بندہ کو ملتا ہے، عبادت کا نفع اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر نہیں جاتا، اگر کوئی عبادت اس لیے کرتا ہے کہ اللہ کی عظمت میں اضافہ ہوجائے تو اس کی یہ بھول ہے، اللہ تعالیٰ کو کسی کی عبادت سے کوئی نفع اٹھانا نہیں ہے۔

خلقت انسانی کا راز:

اسی لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو پیدا کیا جو ہردم مانگتے رہیں، ہردم بھوک لگتی رہے، ہردم ننگے ہوں، ان کو اپنا بدن ڈھانکنے کے لیے بھی لباس چاہئے، پیٹ بھرنے کے لیے بھی لقمہ چاہئے، ان کو بیماری دور کرنے کے لیے بھی مالک چاہئے، ان کو ہروقت مانگنے والا بندہ اس لیے پسند آیا کہ اس کا دربار ہروقت مخلوق پر اپنی نعمتیں برسانا چاہتا ہے، اسی لیے تو انعامات الٰہیہ ہروقت برستے رہتے ہیں، انعامات الٰہیہ کی بارش ہوتی رہتی ہے، لینے والا تھک سکتا ہے لیکن دینے والا کبھی تھکنے والا نہیں۔

دنیا کے سب سے آخری جنتی کا حال:

میرے دوستو! آپ اندازہ لگائیں اس دنیا کے سب سے آخری جنتی کے بارے میں جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ جنت عطا فرمائیں گے، چنانچہ امام ترمذی لکھتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس آخری جنتی سے جس کو جنت میں بھیجنا چاہیں گے، فرمائیں گے کہ جاؤ میں تجھے جنت میں جانے کا حکم دیتا ہوں، تو وہ شخص کہے گا کہ اے میرے رب وہاں تو جگہ ہے ہی نہیں۔

اس کو مثال سے سمجھئے کہ کوئی مسافر ٹرین میں ایک طرف جھانک کر چلا آئے اور یہ کہے کہ لوگ تو کھڑے ہیں کوئی برتھ ہی نہیں، اب ٹی ٹی صاحب آ کر بولنے لگے کہ نہیں نہیں اکسٹھ نمبر پر چلے جائیں، سیٹ خالی ہے، جب وہ مسافر وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ واقعی سیٹ خالی ہے، ٹھیک اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے فرمائیں گے، جاؤ میں نے تجھے جنت دیدیا وہ کہے گا ربّ العالمین! جنت میں جگہ ہی نہیں، سارے لوگ تو جا کر بھر چکے ہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے ''تمن علیّ'' مانگ کیا مانگتا ہے، وہ شخص مانگتے مانگتے تھک جائے گا اور اسے یاد بھی نہیں رہے گا کہ یہ بھی مانگ لیں اور وہ بھی مانگ لیں، وہ کہے گا جی حضور مجھے یہ بھی چاہئے، مجھے وہ بھی چاہئے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے، تو نے جتنا مانگا ہے وہ تو ملا ہی ہے ''وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهَا'' اور اس جیسے دس گنا اضافہ کے ساتھ میں دیتا ہوں۔

وہ شخص کہے گا کہ اے رب آپ تو بادشاہ ہیں شہنشاہ ہیں، آپ میرے جیسے غریب دکھیا آدمی سے مذاق کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مذاق تو انسان کرتا ہے وہ دینا نہیں چاہتا کہہ کر مکرنا چاہتا ہے، انسان کا خزانہ تو محدود ہے، دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو دینا چاہے اور اپنے خزانہ کو نہ دیکھے۔

اس کائنات میں صرف ایک ہی مالک ہے جس کی شان کریم ہونے کی ہے اور کریم اس مالک کو کہتے ہیں جو دینے پے آئے تو مانگنے سے زیادہ عطا کرے اور جب دینے پے آئے تو اپنے خزانہ کے ختم ہونے کا جس کو خوف نہ ہو، اگر صحیح میں صفت کریم کو دیکھیں تو کسی انسان کو کہنا صحیح نہین، البتہ سخی کے بارے میں کہنا چاہے تو کہہ سکتے ہیں۔

آخری جنتی کو اس دنیا سے دس گنا بڑی جنت دینے کا راز:

میرے دوستو! اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دنیا کے آخری

جنتی کو اس دنیا سے دس گنا زیادہ عطا فرمانے والے ہیں، اس کی مانگ سے بھی زیادہ عطا فرمانے والے ہیں، حکم ہوگا کہ پوری دنیا تمہیں کافی ہے، وہ شخص کہے گا اے میرے رب پوری دنیا میں کیا کروں گا، میں تو ہمیشہ دس بائی دس والے فلیٹ میں رہتا تھا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے جا میں نے تجھے پوری دنیا دیدیا اور دنیا سے دس گنا زیادہ بھی عطا فرمادیا، اس کا راز کیا ہے، اس کا راز یہی ہے جو میں عرض کیا کرتا ہوں کہ کوئی ایسا شخص کھڑا نہ ہو جو یہ کہہ دے کہ اے اللہ میں نے بھی اتنا کسی کو دیا تھا، اس لیے کہ اس دنیا کا باشندہ اگر کسی کو کچھ دے سکتا ہے تو پوری دنیا دے سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں دے سکتا، اگر بادشاہ اپنے اکلوتے بیٹے کو پوری دنیا اور سکندر بادشاہ مرکر اپنے بیٹے کو پوری دنیا دیکر جا سکتا ہے تو میرے دوستو! شاید وہ وہاں کہہ دے کہ میں نے بھی پوری دنیا دیا تھا، اللہ نے دیا تو کیا دیا، لیکن جب اس آخری جنتی کو اس دنیا سے دس گنا زیادہ عطا فرمائیں گے تب کوئی شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی چھوٹی جنت عطا فرمائیں گے جو اس دنیا کی دس گنا ہوگی اور جنت کا سب سے غریب اور سب سے آخری جنتی وہ ہوگا جس کو سب سے چھوٹی جنت ملے گی، آپ اس مولیٰ کے عطا کو سمجھ سکتے ہیں، نہیں سمجھ سکتے، مانگ مانگ کے تھک جاؤ گے، پھر بھی اس کی عطا اس سے کہیں زائد ہوگی۔(ترمذی شریف :۸۷/۲ باب ماجاء ان للنار نفسین وماذکر من یخرج من النار من أهل التوحيد)

بہرحال اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ''**مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی**'' کہ میں جس کو دوست بناتا ہوں پھر کبھی اس کو دشمن نہیں بناتا:

بس ہے اپنا ایک بھی نالہ اگر پہونچے وہاں
گو کیا کرتے ہیں بہت سے نالہ و فریاد ہم

ہم نالہ وفریاد کرتے ہیں لیکن اگر ایک نالہ بھی بہہ کر وہاں پہونچ گیا تو ہمارا کام بن گیا، ایک سجدہ بھی اگر وہ قبول کرلیں گے تو بس بیڑا پار ہے، میرے دوستو! غیر مقبول تو نہیں اس لیے کہ وہ جسے دوست بناتے ہیں اس کا پچھلا حساب نہیں لیتے اور صحیح بات یہ ہے کہ دوست کا حساب وکتاب کچھ بھی نہیں، فرشتے کہیں گے، حضور اس کا یہ کام ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے ہٹاؤ اس کو جنت بھیجو......!

محشر میں کفار کا حال:

میرے دوستو! حدیث شریف میں ایک بہت عجیب بات نقل کی گئی ہے، لکھا ہے کہ بہت تیزی سے پیشی ہوگی، فرشتے کہیں گے ربّ العالمین یہ شخص آ گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے فوراً اسے جنت لیجاؤ، تو کچھ کفار دیکھ کر سوچیں گے کہ بھائی یہاں تو کوئی چیکنگ ہے نہیں، یہ سوچ کر جسے کفار پہونچیں ویسے کہیں گے ''وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ'' اللہ ہم نے تو شرک کیا ہی نہیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائیں گے کھولو رجسٹر صفحہ ۹۹۸ (بطور مثال) پر کیا لکھا ہے، فلاں صفحہ پر دیکھو کیا لکھا ہے:

وہ کافر سوچ رہا تھا کہ یہ جو سب کی گاڑی پھٹا پھٹ پار ہورہی ہے، میں بھی اپنا بیگ لے کر اسی میں نکل جاؤں۔

جیسے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایئر پورٹ پر لوگ آرہے ہیں، تو انمیں جو ماہر فن ہوتا ہے وہ بھی اسی بھیڑ میں نکلنا چاہتا ہے، وہاں چیکنگ کرنے والا کہتا ہے اِدھر آؤ پھر وہ پکڑا جاتا ہے، داروغہ کو کشف نہیں ہوتا، وہ تو دیکھتے ہی سمجھ جاتا ہے کہ اس کے چہرے میں فرق ہورہا ہے، کچھ گڑبڑی ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ تو عالم الغیب والشہادۃ ہیں، ان کو چیکنگ کی کیا ضرورت۔

عرض یسیر کے وقت دخول جنت فضل الٰہی کی بنا پر ہوگی:

دوستو! وہ جو جنت میں دھڑا دھڑ پار ہورہے ہوں گے، ایسا نہیں ہے کہ ان کے نامۂ اعمال میں صرف نیکیاں ہی نیکیاں لکھی ہوں گی،نہیں بلکہ انہیں نیکیوں میں سے کوئی ایک نیکی پسند آ گئی بس اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جنت میں داخلہ کی اجازت مرحمت فرمادیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ارشادفرماتے ہیں: ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَکُ حَسَنَةً یُضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا ''(النساء:۴۰) کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے کسی بندہ پرظلم کرنے والے نہیں، جب پیشی ہوگی تو یہ کہیں گے کہ اس کو دس لاٹھی اور مارو، وہاں ایسا نہیں حکم ہوگا جتنا ہے بس اتنا ہی اور اگر نیکیوں میں کمی آ گئی تو نیکیوں کو بڑھا کر اپنی طرف سے اجرعظیم عطا فرمائیں گے۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ کا دو ہی دروازہ ہے:(۱) انصاف کا (۲) فضل کا، اگر اس نے فضل والے دربار میں بھیج دیا تو سمجھو لائن کلیئر ہے، اور اگر عدل والے دربار میں بھیج دیا تو سیدھے جہنم میں جاؤ گے۔

ہم تو یہاں حکمراں سے بہت زیادہ رکویسٹ کرتے ہیں کہ صاحب انصاف نہیں مل رہا ہے، ہمیں انصاف چاہئے اور انصاف کا مطالبہ کرنے کے لیے سڑکوں پے احتجاج بھی کرتے ہیں۔

لیکن اگر کسی نے غلطی سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے کہہ دیا کہ انصاف کر دیجئے تو وہ سیدھے جہنم میں جائے گا، اتنی ہزار ہزار کروڑ کی نعمتیں کھا کر گنتی کی بھی عبادت لے کر نہیں گیا تو جہنم میں نہیں جائے گا تو اور کہاں جائے گا، کیوں کہ کوئی بھی انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں

کے بقدر عبادت کر ہی نہیں سکتا، عبادت کر کر کے تھک جائے گا، مر جائے گا، پھر بھی اس کی نعمتوں کے بقدر نہیں کرسکتا۔

بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ایک واقعہ:

اس پر ایک قصہ سن لیجیے ایک ایسے شخص کی پیشی ہوئی جنہوں نے پانچ سو سال تک عبادت کی تھی، اس کے متعلق حکم ہوا کہ میرے فضل سے اس کو جنت میں لے جاؤ، یہ سن کر اس نے کہا کہ حضور میں نے تو بڑی محنت کی ہے، چنانچہ میں پانچ سو سال تک عبادت کرتا رہا ایک لمحہ بھی نافرمانی نہیں کی، پھر بھی میں یہ سن رہا ہوں کہ جنت میں فضل سے جاؤ، تو کیا میری ان عبادتوں کی کوئی قدر نہیں! حکم ہوا کہ اس کو جہنم کی سیر کرادو، تھوڑی دور ہی سے دکھانا اور جہنم کی وادی سے ایک بار گذار کر لے آؤ، اب ظاہر ہے کہ جہنم کی لپٹوں کا کیا ٹھکانا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ پانچ سو سال کی مسافت تک جہنم کی لہریں چلتی رہیں گی اور قریب سے گذرنے والے کا حلق سوکھ کر کانٹا ہوجائے گا، وہاں جانے کے بعد اس نے کہا مجھے پانی چاہئے تو فرشتوں نے کہا کہ یہ تو دارالجزا ہے، لہٰذا ایک گلاس پانی کے لیے نیکیاں دینی پڑے گی، تو اس شخص نے کہا کہ پانچ سو سال کی نیکیاں رکھی ہوئی ہیں، اسی میں سے لے لیجئے، تو فرشتوں نے جھٹ سے ایک پیالہ پانی کا ریٹ ڈھائی سو سال کی عبادت کو لگایا اور جب واپس آیا تو اس کا حلق پھر سوکھ کر کانٹا ہوگیا، اس نے ایک گلاس پانی پھر مانگا جس کا ریٹ متعین تھا، لہٰذا اسی ریٹ کے مطابق ایک گلاس اور پانی پلادیا، اب جب حاضری ہوئی تو پوچھا گیا کہ بھائی کچھ بچا! اس نے کہا اب تو کچھ بھی نہیں رہا، اس پر اللہ نے فرمایا کہ میرے فضل کا مطلب سمجھ میں آگیا، تو اس نے کہا جی ہاں، سمجھ میں آگیا، فرمایا ایسا ہے کہ دنیا میں جتنے گلاس پانی پیئے تھے پہلے اس کی قیمت جمع کردو پھر آگے بات کرنا، صرف پانی ہی کا ریٹ

لگے گا دوسری چیزوں کا نہیں، ایسے موقع پر تو انسان کو کئی پشت کی نانی یاد آنے لگے گی۔

اس لیے یہ انسان اگر بخشا جائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے بخشا جائے گا، اور جہنم میں جائے گا تو اس کے عدل سے، اللہ تعالیٰ جس کو جہنم میں ڈالے گا اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کرے گا، ناانصافی میں جہنم نہیں ہے، عدل میں جہنم ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں ''اِنَّ اللّٰہَ لَایَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ'' میں تو کسی بندہ پر ظلم کرنے والا نہیں، میرے یہاں ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں۔

فضل الٰہی کی وسعت:

اب اگر کوئی چاہنے والا ایک ہی نیکی لے کر آیا تو اب فضل کی مثال سن لیجئے! انسان کا نامہ اعمال ترازو میں چڑھا ہوا ہوگا، فرشتے کہیں گے باری تعالیٰ بس ایک ہی نیکی ہے، حکم ہوگا اس میں زیرو لگا دو، فرشتے کہیں گے ایک زیرو لگا تو دیا ہے، لیکن ترازو اٹھا نہیں ہے، حکم ہوگا پھر زیرو لگاؤ، زیرو لگانے کے بعد فرشتے کہیں گے حضور اب تک ترازو اٹھا نہیں ہے، ٹس سے مس نہیں ہو رہا ہے، پھر حکم ہوگا اب چار زیرو لگا دو، معلوم ہوا کہ دس لاکھ نیکیاں ہوگئیں، عدد تو نہیں بڑھایا صرف زیرو بڑھا دیا، معلوم ہوا کہ اس ایک نیکی کو بھی اللہ تعالیٰ بڑھائے گا، اور اتنا بڑھائے گا، اتنا بڑھائے گا کہ وہی بھاری پڑ جائے گا، اور جب پلڑا جھک جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا بھائی اس کو جنت لے جاؤ اور میرے طرف سے پھر دس لاکھ نیکیاں دیدو، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کو میرے خزانہ سے اجر عظیم دیدو، یہی ہے ''وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا''۔

علماء لکھتے ہیں کہ اللہ کی رضا اور اس کی خوشی کا ایک ذرہ بھی انسان کی مغفرت کے

لیے کافی ہے، تو آپ اندازہ لگائیں کہ جس کو اجر عظیم مل رہا ہو اس اجر عظیم کی مقدار کیا ہوگی، جس کے خزانہ سے اجر عظیم مل رہا ہو اس خزانہ کی مقدار کیا ہوگی، لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ یہ معاملہ حساب و کتاب والے کے ساتھ نہیں ہوگا بلکہ یہ تو محبت والی دنیا کے ساتھ خاص ہے۔

ایک حسی مثال:

کوئی شخص اپنی گاڑی پر سوار ہو کر جا رہا ہو سڑک پر بھیڑ ہو، اب اگر کوئی ہاتھ بھی غلطی سے دیتا ہے تو وہ ہنستے ہوئے نکل جاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ارے بے وقوف تجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ پرائیویٹ گاڑی ہے، لیکن اگر کوئی تعلق والا دکھ گیا تو ڈرائیور سے فوراً کہے گا کہ گاڑی روکو! اگر ڈرائیور کہنے لگے کہ صاحب لوگ تو پہلے سے بیٹھے ہیں کہاں جگہ ہے تو وہ شخص کہے گا کہ آپ لوگ تھوڑا تھوڑا کھسک جائیں، یہ میرا اپنا آدمی ہے، تو جب محبت اور تعلق ہوتا ہے تو اس کے لئے ''وَاِنْ تَکُ حَسَنَةً یُضَاعِفْهَا'' ہے، کہ اگر ایک نیکی بھی وہاں پہونچ گئی تو اس پر زیرو لگنا شروع ہو جائے گا اور زیرو لگا لگا کے ہیرو بنا دیں گے، اور جنت میں پہونچا دیں گے۔

عبادت بندہ بنانے کے لیے ہے:

میرے دوستو! عبادت بندہ بنانے کے لیے ہے، اگر عبادت کرتے کرتے آقا بن گئے تو دواری ایکشن کر گئی، ایسا سجدہ مت کرو، ورنہ یہ سجدہ تم کو جہنم میں لے جائے گا، اسی سجدہ سے شیطان جہنم میں گیا ہے، جیسے شیطان کو ''فَاخْرُجْ فَإِنَّکَ رَجِیْمٌ'' (سورۂ ص:۷۷) کہا گیا ایسے ہی اس کی صفت کے ساتھ جو متصف ہوگا اس کو بھی ''فَاخْرُجْ فَإِنَّکَ رَجِیْمٌ'' کہا جائے گا۔

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ کو کسی کی عبادت نہیں چاہئے ''اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ'' (الاسراء:۷) کہ اگر تم اچھا کام کرنا سیکھو گے تو تمہارے ہی کام آئے گا، اس لیے کہ اس کا فائدہ تم ہی کو ملے گا، لہٰذا دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد ہمارے ذہنوں میں جو بہت سے لوگوں کی تحقیر پیدا ہونے لگتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آ قائیت ڈیولپ کررہی ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ میں بچپن میں تھوڑا شوق میں ایک بار اٹھ کر کچھ تہجد وغیرہ پڑھ کر غور کیا کہ اور لوگ کیا کررہے ہیں تو میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ سورہے ہیں تو میں نے اپنے بابا (والد صاحب) سے جا کر کہا کہ بھلا بتلائیے لوگ کھا کر جانور کی طرح سورہے ہیں، ارے دو رکعت تہجد پڑھ لیتے تو کیا ہوجاتا، تو انہوں نے کہا کہ بیٹا ایسا ہے اگر تم بھی تہجد نہ پڑھتے تو اچھا تھا، اس لیے کہ تہجد پڑھی جاتی ہے، بندگی میں اضافہ کے لیے نہ کہ دوسروں کی تحقیر کے لیے۔

لوگ کہتے ہیں کہ پڑھ لکھ کر سلیقہ مند ہونا چاہئے، یہ تو پڑھ لکھ کر بدتمیز ہی رہا، لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ تم سے اچھا تو جاہل ہی ہے، دوستو! وہ صحیح کہتے ہیں کیوں کہ فضل کے لیے بہت بڑی عبادت نہیں چاہئے، اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ آپ نماز، روزہ بند کردیں، بلکہ اگر یہ کیفیت (دوسروں کی تحقیر، آقائیت) پیدا ہو تو پھر اللہ والوں کی طرف رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کا ایک واقعہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل کس پر متوجہ ہوجائے اس کی کوئی گارنٹی نہیں، اس کی مثال

میں دیتا ہوں، ایک قصہ تو لکھا ہے لیکن اس کی کوئی سند نہیں، وہ واقعہ یہ ہے کہ دہلی کی جامع مسجد جب تیار ہوگئی، تو اس کا قبلہ غلط ہوگیا، اور کچھ تیڑھا ہوگیا اور معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت معائنہ کے لیے آنے والے ہیں، دہلی کی جامع مسجد کا اندازہ تو معلوم ہی ہوگا، کچھ دن پہلے میں ملیشیا گیا تھا، کسی نے سنایا کہ الالمپور میں جب شاہی مسجد بن رہی تھی تو وہاں کے بادشاہ نے انجینئروں کو بھیجا تھا، کہ دہلی والی مسجد دیکھ کر آؤ، ہم بھی بنائیں گے، کیونکہ ہم بھی بادشاہ ہیں، تو انجینئر ناپ کر گئے تو کہنے لگے کہ بادشاہ سلامت آپ کے ملیشیا کا جو خزانہ فی الحال موجود ہے وہ اس جیسی مسجد کے لیے ناکافی ہے، اس لیے آپ اپنا ارادہ ترک کردیں۔

بہرحال وہ مسجد بن گئی معلوم ہوا کہ بادشاہ سلامت معائنہ کے لیے بھی فلاں دن آنے والے ہیں اور جب تمام چیزیں دیکھی گئیں تو مسجد کا قبلہ ہی ٹیڑھا تھا، اب بنانے والا تو ایک دم پاگل ہوگیا، اس کا یہ کام کتنا بڑا تھا، اسی بنا پر سوچا بھی ہوگا کہ کئی ہزار انعام ملے گا اور جب معاملہ ایسا ہوگیا تو اس نے سوچا کہ معاملہ تو بادشاہ کا ہے اور اس کا رعب بھی لمبا ہوتا ہے اور مزید یہ بھی سن لیا کہ صبح گردن اتارنے کا حکم ہوجائے گا، اب وہ شخص بہت رویا، بزرگوں کے دربار میں بھی جا کر رونا شروع کردیا اور اس کی فکر یہی تھی کہ بس کسی طرح جان بچ جائے، تو لوگوں نے کہا کہ یہ کام نیچے کے لوگوں کا نہیں ہے، فلاں جگہ جاؤ اس مسجد میں ایک شخص رہتا ہے اسی سے تمہارا کام بنے گا، اب جب وہ شخص وہاں گیا تو جا کر رونا شروع کردیا کہ حضرت چار لڑکے ہیں بیوی بچے سب مرجائیں گے تو اس نے کہا کیا ہوا؟ بھائی بتاؤ تو سہی! تب اس نے کہا کہ حضور ایسی ایسی بات ہے، بزرگ صاحب نے کہا کہ جب میں تہجد کی نماز پڑھ کر فارغ ہوجاؤں تب آنا، جب آیا تو سلام کیا اور کہا کہ چلئے حضرت! تو اس بزرگ نے جہاں امام کا قبلہ تھا امام کے محراب کے پیچھے جا کر اپنا مصلّٰی بچھایا اور بس ٹیک لگا کر اس نے ایسے کیا

(یعنی کچھ گھما دیا جس کے ساتھ ساتھ مسجد بھی گھوم گئی اور قبلہ درست ہو گیا، تو اس کا قبلہ سیدھا ہو گیا، بات سمجھ میں آ گئی، اگر نہیں آئی تو کوئی جھگڑے کی بات نہیں، میں نے کوئی قرآن کی آیت پڑھ کر نہیں سنایا ہے، بہرحال اس نے اپنی پشت کو صرف ایسے کیا تو دہلی کی جامع مسجد کا قبلہ سیدھا ہو گیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس معمار کی جان بھی بچ گئی، یہی تو ہے فضل الٰہی۔

نیز فضل کی بات یہ ہے کہ ایک عورت نے بادشاہ سلامت کو ساگ روٹی کھلائی اور بادشاہ نے انعام دیدیا اور کہا کہ بہت خوب ''ویری گوڈ'' (Very Good)۔

فضل کا دوسرا واقعہ:

نور جہاں اور جہانگیر دونوں ایک مرتبہ میلے میں گئے، جہانگیر کو کبوتر اڑانے کا بہت شوق تھا، اس نے دیکھا کہ کچھ لڑکیاں کھڑی ہیں تو جہانگیر نے کہا کہ تم ان دونوں کبوتر کو پکڑو میں پانی پی کر آتا ہوں، جب پانی پی کر آیا تو دیکھا کہ ایک کبوتر اڑ گیا ہے، وہ تو شہزادہ تھا ہی اس نے پوچھا کہ میں نے تجھے دو کبوتر دیا تھا ایک کیا ہوا؟ وہ لڑکی بولی کہ ارے صاحب وہ تو اڑ گیا، اس نے کہا کہ کیسے اڑا تو اس نے دوسرا بھی چھوڑ دیا کہ اس طرح اڑ گیا، تو یہ فضل کبوتر کے ساتھ ہوا۔

اللہ تعالیٰ انسان کو نیک بندہ دیکھنا چاہتے ہیں:

میرے دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو نیک بندہ دیکھنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف کی ہے وہ اسی بنا پر کی ہے کہ میں نے امام الانبیاء بنایا سارے رسولوں کا امام اور مقتدی بنایا، ساری دنیا کا خلاصہ بنایا، پھر بھی ان کا انداز تو دیکھو، بولنے کا انداز، دیکھو چلنے کا انداز دیکھو لوگوں سے ملنے کا انداز دیکھو لگتا ہے کہ غلام

جا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں "**انا آکل کما یاکل العبد**" فرمایا جیسے ایک چھوٹا سا غلام کھاتا ہے میں بھی ویسا ہی کھاتا ہوں، جیسے غلام بولتا ہے میں بھی ویسا ہی بولتا ہوں، تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعریف فرمائی ہے وہ عبدیت کی بنا پر تعریف کی ہے، مالک سوچتا ہے کہ ڈرائیور کو گالی دینے کا ہم کو حق ہے اور مجھے لائسنس ملا ہوا ہے، اور بوڑھا سوچتا ہے کہ جوانوں کو گالی دینا ہمارا وظیفہ ہے۔

میرے دوستو! ایسا نہیں ہے وہ تو خود ہی مالک ہے، اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ لیں تو آپ بندہ بن کر جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو کہنے سننے سے زیادہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.

☆☆☆☆☆

☆☆☆

☆

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

(علامہ اقبالؒ)

فنائے دنیا کی حقیقت

نگاہوں سے جو اوجھل جلوۂ جاناں نہ ہوجائے
مری نظروں میں کیوں تاریک پھر دنیا نہ ہوجائے
نصیحت تیری ناصح شکوۂ بیجا نہ ہو جائے
رواں بے اختیار آنکھوں سے کیوں دریا نہ ہو جائے
کروں کیا صبر کا لبریز جب پیمانہ ہو جائے

یہ عالم عیش و عشرت کا یہ حالت کیف و مستی کا
بلند اپنا تخیل کر یہ سب باتیں ہیں پستی کی
جہاں در اصل ویرانہ ہے گو صورت ہے بستی کی
بس اتنی سی حقیقت ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہوجائے

کسی کو رات دن سرگرم فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکر ناگوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیر آسماں پایا
بس اک مجذوبؔ کو اس غم کدہ میں شادماں پایا
جو بچنا ہو غموں سے آپ کا دیوانہ ہوجائے

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؔ علیہ الرحمہ)